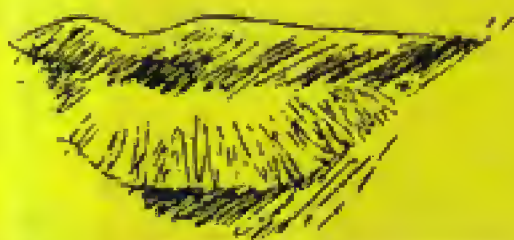


عجیب آدمی

عصمت چغتائی



عصمت چنتائی

عصمت چنتائی کی ادبی زندگی کا آغاز ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں ہوا۔ اس دوران اور اس سے چند سال قبل انڈیا ادب میں کچھ اہم اور نیمجائز تبدیلیاں واقع ہو رہی تھیں۔ رومانیت کی دھند رفتہ رفتہ چھٹی جا رہی تھی اور حقیقت نگاری کی طرہ رجحان بڑھ رہا تھا۔ جدید تعلیم اور مغرب کے اثر سے کچھ لوگوں میں زندگی سے نظر ملانے کی جرأت پیدا ہوئی۔ اس جرأت کا پہلا اظہار ”انگارے“ (۱۹۳۰ء) کی شکل میں سامنے آیا۔ انگارے ان دنوں کہا نیوں کا مجموعہ تھا جن میں ہندوستانی سماج نے بعض اربہم ہیروؤں کی حقیقی تصویر تھی۔ اس میں چند ایسے موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا گیا تھا جن پر قلم اٹھانا غیر اخلاقی اور غیر ادبی تصور کیا جاتا تھا۔ دولت کی غلط تقسیم، جھوٹی مذہبیت اور سب سے بڑھ کر گھٹے ہونے سماجی بحول کی نفسیاتی درجنی انھیں ان کہا نیوں کے اہم موضوعات تھے۔ خلیفہ الرحمن غفلی لکھتے ہیں:

جھوٹی مذہبیت، دیاناری، مہذب رشانتگی کا سوچنا، وطن پرستی اور قوم پرستی کے ڈھنگ ان سب پر ”انگارے“ نے مصنفین نے اپنے طنز کے تیر پرستے۔

رداجی اخلاق و آداب کا پروردہ معاشرہ ادب میں زندگی کے اس گھناؤنے رخ کو نشیوں نہ کر سکا۔ ”انگارے“ کی زیر دست مخالفت ہوئی۔ کتاب ضبط کر لی گئی۔ اس اقدام نے انگارے کی شہرت میں کچھ اضافہ ہی ہوا۔ نتیجہ ”انگارے“ فنی نقطہ نظر سے اہم کارنامہ نہیں تھا

لیکن موضوعات اور انہماک کی وجہ سے ان کے ادب کے لئے راہیں ہموار گئیں۔
غلیل الرحمن اعلیٰ لکھتے ہیں:

۱۔ یہ سارے انسانے خام ہیں لیکن ان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے
کہ پہلی بار ہمارے افسانہ نگاروں نے اس بلند کو توڑنے کی کوشش کی
جس کی وجہ سے سماج کے بہت سے اہم اور پیچیدہ مسائل ابھی تک فن
کے حدود میں داخل نہیں ہو سکے تھے یا ارض منورہ قرار دے جاتے تھے؛
انگلارے کی اشاعت کے چند سال بعد باقاعدہ پروگرام کے تحت نوی پسند تحریک
کا آغاز ہوا۔

ترقی پسند تحریک کے دور عروج میں حقیقت نگاری کو فروغ حاصل ہوا حقیقت
نگاری ترقی پسند تحریک سے قبل بھی ہمارے ادب کا حصہ رہی ہے۔ نذیر احمد، علامہ
راشد الخیری، پریم چند اور اولین خواتین نادان نگاروں کے یہاں حقیقت نگاری تھی ہے۔
لیکن ان کی حقیقت نگاری، حقیقت پرستی، میں پناہ دیتی ہے۔ ترقی پسند حقیقت نگاری
نے زندگی کو اس کے اصل رنگ میں پیش کیا۔

۲۔ کسی تحریک کے نذر اثر سربا یا دار ہونے کے خلاف آواز اٹھانی گئی۔ جدیدیت اور
مغربی تہذیب کے ایک طرز اور جواز میں جھوٹی ذہنیت اور اختلاف کا یہ ناجائز اثر
آزادی حاصل کرنے کا رجحان بڑھا تو دوسری طرف علم نفسیات سے گہری دلچسپی کی وجہ سے ان کی
ذہنی انسانی نفسیات کی طرف متبدل ہوئی جس کے نتیجے میں ادب میں جن کو ایک اہم موضوع کی
جائزہ حاصل ہوئی۔ بیشتر ترقی پسندوں نے اپنے انسانوں اور نادانوں میں انسانی حقیقت نگاری
کو رد کر دیا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے جہانم سائے آتے ہیں دو نمبر محمد حسن مسکری اور
"صمت جنتی" کے ہیں۔

منو اور صمت کے انسا نے جنسی حقیقت نگاری کی بہت اچھی مثالیں دیں۔ ان کے
بازار میں انسا کا موضوع جنس ہے۔ اور انہوں نے اس کا انفرادی اس قدر بے باکی سے کیا کہ
"نفس کی کرافش" کے اہرام میں ان پر ساری مقدمہ دراز کیا گیا۔ منو اور صمت نے حقیقت کی

تلاش صرف اس حد تک نہیں کی زندگی کا نقشہ کیا، بلکہ انھوں نے افراد کی اندرونی ذات
میں اثر کر کے بھی دکھا کر زندگی ایسی کیوں ہے۔ انھوں نے ظاہری حقیقت کی نقاب
برج کو اس کے اصل چہرے کو دکھا۔ اس طرح ان کا رشتہ حقیقت سے زیادہ فطرت
سے استوار ہوا۔

صمت کے انسانوں کا موضوع عام طور سے متوسط مسم گھرانے کی لڑکیوں
کی جنسی زندگی ہے۔ اس جنسی زندگی کی پیش کش میں صمت نے اگر ایک طرف علم
نفسیات سے ناگزیر اٹھایا ہے تو دوسری طرف اس طبقے کی جنسی زندگی کا مطالعہ و
مشاہدہ کیا ہے۔ صمت کا گھر بڑا حوال جہاں ان کی پرورش ہوئی ان کے اس رجحان کا
نشرو نایاں معاون ثبات ہوا۔ ایک انٹرویو میں کہتی ہیں:

۱۔ دوپہر کو بھر کے کھانے کے بعد میں میرے بچے کو بیٹھاتی تھیں اور ہم لڑکیوں سے کہا جاتا تھا
"بھول جاؤ تو تم لوگ۔ میں چپ کے پیگ کے نیچے گھس کے کہیں سے ان کی
پائیں میں سے ناکرٹی تھی۔ جنس کا موضوع، گھپٹے ہوئے حوال اور پردے میں
رہنے والی چیزوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اس پر بہت بات چیت کیا
کرتی ہیں۔ میری افسانہ نگاری میں لکھتے ہوئے ان کی عکاسی ہے۔"

صمت خود بھی ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان کا گھر دوسرے متوسط گھروں
کے مقابلے میں زیادہ آزاد خیال تھا صمت کہتی ہیں:

۲۔ میری تربیت زیادہ تر بھائیوں کے ساتھ ہوئی۔ پھر میری اماں کچھ زیادہ
داخل نہیں رہتی تھیں۔ اس لیے مجھے آزادی سے سوچنے کی عادت پڑ گئی۔
اور میرے خاندان میں ساری بات بڑے چھوٹے سب بھٹے گہر دیتے ہیں۔

آزادی سے سوچنے کی عادت اور صمت کی صمت سے اس کی زبانیں اور نادانوں کھوا ہے
جس کے لیے ایک وقت وہ جہاں بھی جوتیں اور نام بھی لکایا۔ "غیر صمت کی پرورش کچھ ان
موج ہوئی کہ جس کے سارے کے ساتھ موضوعات نا سب باکی اور چھب کی تہذیب و طراوی
ان کی شخصیت کا حصہ بن گئی۔

”عجیب آدمی“

عصمت چغتائی کا ناول ”عجیب آدمی“ قلمی دنیا سے متعلق ہے۔ اس میں ایک کردار کے ذریعے پوری قلمی دنیا کے ماحول اور طریقہ کار کو پیش کیا گیا ہے۔

اس ناول کا مرکزی کردار دھرم دیو قلم انڈسٹری کا نمائندہ مشہور اور کامیاب قلم اشار ہے۔ یہ شخص اندرونی طور پر ایک اچھا انسان ہے اور ذہنی اور جذباتی طور پر بہتر اور پر امن زندگی گزارنے کا خواہشمند ہے۔ لیکن وہ جس ماحول کا حصہ ہے وہاں اس کی یہ آرزوئیں ناکام رہ جاتی ہیں کیونکہ جاہل اس کے جذبات و احساسات اس ماحول کی حقیقتوں سے کھراتے ہیں اور اس کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔

ابتداء میں دھرم دیو منگلا سے محبت کرتا ہے۔ منگلا بھی اسے حاصل کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دیتی ہے۔ دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ لیکن شادی کے بعد جب دھرم دیو قلم کی شوٹنگ کے دوران زرینہ کے ساتھ کام کرتا ہے اور زرینہ اس کے قریب آنے کی کوشش کرتی ہے تو وہ زرینہ کو جھٹک دیتا ہے اور اپنی بیوی کو فون کرتا ہے کہ وہ وہاں آ جائے تاکہ وہ غلط جذبوں کی دسترس سے بچ سکے۔ لیکن جب وہ زرینہ کو اپنی قلمی پارٹی کے دوسرے افراد سے مکمل مل کر بات کرتے دیکھتا ہے تو اسے تکلیف ہوتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ زرینہ صرف مانتیکہ ... محبت کرتی ہے اس کے دل میں

میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس کے دل میں ایک خواہش ابھرتی ہے کہ بہر حال زرینہ اس سے محبت کرے۔

اس کی طبیعت کا یہ تضاد دراصل اس کی انسانی فطرت کا غماز ہے جس میں خیر و شر کی آمیزش ہے۔ رفتہ رفتہ زرینہ سے اس کی دوستی منظر عام پر آ جاتی ہے۔ نتیجے میں اس کی بیوی اس سے بدظن ہو جاتی ہے اور انتقام کے طور پر اس کی قلم میں گانے دیتا بند کر دیتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی عدم تعاون کی تلقین کرتی ہے۔ اس کے بچے بھی اس سے ناراض رہتے ہیں۔ دھرم دیو پریشان ہو جاتا ہے۔ اس کا غم غلط کرنے کے لئے اس کے دوست اسے ایک طوائف پڑا کے پاس لے جاتے ہیں۔ یہاں راگ و رنگ کی محفلوں میں وہ خود کو ڈوبنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو سنبھالنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کی زندگی منگلا، زرینہ اور پدما کے گرد الجھ کر دشوار ہو جاتی ہے۔ وہ بار بار بیوی بچوں کو اپنی طرف بلانا چاہتا ہے۔ ان کی محبت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ اسے سکون مل سکے لیکن وہ واپس نہیں آتے۔ اس کا دوست بھی اپنے گھر چلا جاتا ہے۔ دنیا کے تمام رشتے ٹاٹے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ وہ ہر ایک کی طرف سکون کی خاطر بڑھتا ہے لیکن پھر شراب اور خواب آور گولیاں ہی اس کے سکون کا ذریعہ بنتی ہیں اور یہی چیزیں اسے موت سے ہم کنار کر دیتی ہیں۔

اس طرح اس ناول میں دھرم دیو کے کردار کے ذریعے قلم انڈسٹری کے اندرونی ماحول کی تصویر کشی کی گئی ہے جس میں پوری قلم انڈسٹری پر بھریو طرز بھی ہے۔ اس ناول کی کہانی اور اس کے ہیرو کا المیہ مشہور قلم ساز و اداکار مردوت کی زندگی سے قریب معلوم ہوتا ہے۔

وہ بالی کی نقل میں کافی کڑی ہو گئیں جس میں اس دقت کیسے اساعلم بہ تھا
 بالی میں پہلی بار موہلی بن جھینکا نایاب مغربی انداز میں پیش کر کے دھرم دیو نے
 اسے ہر لحاظ سے نازی جزو خواہاں۔ اس کے بعد بہت کم ایسی فلمیں بنی ہیں جن میں
 ہوش کی میٹج یا مینروں کے گرد نایاب نہیں ہوتا۔ مغربی طرز کے غنڈے ،
 اسٹیلنگ یا ایسی قسم کی کوئی بیوی لگتے ہوئے یہ حاشی بھی بالی کے بعد
 فلم کی جان بن گئے۔ دھرم دیو ایک راز سے ایک دم چوٹی کے ڈائریکٹر کی
 صفت میں جا بھٹکا ہوا۔

میں جیب اشوک کمار اور دیا پر نے دوبارہ مٹی ٹاکیڑ میں جان
 ڈالی تو پھر سے متھوڑے کا زنا زوٹ آیا۔ فلم اسٹوڈیو کا ماحول کسی تعلیمی
 یا کلچرل ادارے جیسا معلوم ہوتا تھا۔ بہت سے فلم اداکار اس وقت
 چوٹی پر تھے، آج لوگ انہیں مہول کہتے ہیں اور بہت سے آج کے تھراپسٹ
 ان اداکار اس وقت بہتی ٹاکیڑ کے احاطے میں بڑی سفارشوں سے داخل ہو
 پاتے تھے۔ وہ ہمیں دیکھنے کے لئے غفلت آج دیوانوں کی طرح ٹوٹ
 پڑتی ہے۔ اس وقت بھون اور ٹرینوں میں جھک مارتے پھرتے تھے۔ سر
 بڑے فلم اسٹوڈیو کے احاطے میں کتنے ہی نو عمر امیدوار کسی دسلے سے داخل جانے
 جس سے شام تک پتوں پر بیٹھے، جا جیاں لیا کرتے۔ کوئی چاؤ ڈکڑا کر پروڈیوسر
 یا کوئی باٹ دایمر دوسرے سے گزرتا تو بحث ادب سے کھڑے ہو جاتے۔
 کبھی ہیرو یا کایاں کو بعد میں مشہور و معروف نہیں بن سکتے ان دنوں اپنی نانی یا
 باب کے ساتھ اشوک کمار یا دیا پر سے ملاقات کی کس نکلتا باہر بچوں پر
 بیٹھی سر لہکارتی ہیں اس وقت وہ حالی تین لاکھ میں آج کی بیس لاکھ کے ملنے
 سے نچوالی فلم سے زیادہ روپیہ کما رہے والی فلمیں بن جا رہی تھیں۔ نئے
 امیدواروں کو زیادہ آسانی سے پاس مل جاتے تھے اور اس وقت پروڈیوسر ڈائریکٹر
 اپنے زلوٹوں کو ٹوکوں کو ٹوک لائیں میں بھوکا نہ تھا شک کی بات تھکتے تھے۔
 ہر بات میں کچھ ترس رہی ہوا کرتی تھی۔ آج کل تو ایک فلم میں کام کر کے لوگ
 تو اسٹار بن جاتے ہیں۔ فلم کی ریٹیز سے پہلے ہی ان کے گھر وں پر پرچہ لٹک رہا
 کے کیونکہ گئے ہیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے منہیں پرانے سچا رہتے ہیں۔

دھرم دیو!

کون دھرم دیو؟

وہی دھرم دیو جو کبھی ایک راز تھا، اسے کسی نے نہ دیکھا تھا۔
 ایک جھینپو سا کس جھوٹا، جسے دیکھ کر ایک دم خیال آتا تھا کہ ہاتھ
 نصیب، یہ لڑکا کیوں ہوا؟ لڑکی ہوتا تو فلم لاک کی ساری پرائیاں مٹا جاتی۔
 لوگ اس کے عشق میں پاگل ہوتے، اس کی کاغذ اداؤں پر دل جان قربان کرنے
 کے لئے اس کے غلیظ کے آگے خوشیوں کی دھکیلاں دیتے ملک کے ہانکے
 اس کی تصویریں کیجیے جھاکر تھنڈی آہیں بھرتے۔ دیش جھلک اس کے
 ساتھ اپنی تصویریں بچھوانا ملک اور قوم کی خدمت سمجھتے۔
 مٹی کی جیٹی قدرتی کاجل سے گولڈن مسٹرم ہی انہیں۔ مٹی تھی، ہانک،
 منایت نواکت سے ترشے ہوئے گداز ٹگر جھوٹے چھوٹے موٹے
 جتنے ہیں جھوٹی سی مٹوڑی، اسٹوڈل یا تھیرا، پھلوانوں جیسے جھلیوں دار ہیں
 بلکہ کہیں ہی کی طرح کھنڈے اور جگہ دار اگر بائیک تریش ہوئی ہو گئیں نہ پالعات
 بالکل اچھا رہیں کی غرضیہ جوت لگتا۔

فلم بالی کچھ اس شان و شوکت سے بھٹ ہوئی کہ اس نے فلمی دنیاں
 متاثر کیا دیا۔ بالی جیسی فلمیں دھرم دیو متاثر شروع ہو گئیں، جو دھرم دیو جیسی

دیسپ کلر، راج پور اور دیوانہ بن جانے لگی تھیں کے بعد مجھے یہ -
 نظم شاکر کریں و صما کے سے چوٹی ... پر پڑ جانے اور ان کی شیت ہستی پر
 میں سب کے ٹڑا ہوا ہوا اس کا ہے جو نیا ستارہ آسمان فلم پر ہوا ہوتا ہے
 مدراس کی نظم اندھیری آئے ایک لیتی ہے اور پھر جیسے کے اندھا اندھ اس
 کی نظم تازہ ہو کر جیت ہو جاتی ہے اور وہ جیسے میں بھی مدراس کی نگاہ کی ہوئی قیمت
 مانگے لگا ہے کبھی اسی طرح میں کی نظم اندھیری نے نکال کی اندھیری کی چاچا
 کر نکلا تھا آج مدراس کی اندھیری نے جی کا دیوانہ نکال کر رکھا ہے -
 کبھی جی کے پر دو پیر اور ڈاکر کی جی بھی شاعری جو آج مدراس
 والوں کی ہے مدراس وقت ہیر و کپڑی کا مالک نہ تھا جیسے آج ہے - یا تو خود
 ہیر و دو پیر سے اور اپنے مفاد کو نظر رکھ کر نہیں بناتا ہے یا بناتا ہے -
 یا اس کا کوئی دوست یا رشتہ دار اس کی مدد سے دھنگ کی نظم بناتا
 ہے - بات سب بھرتی کی پر دو پیر میں ہوا ہے دو جا کر جو پڑ کر سب
 فلو اسٹاروں کے رحم و کرم اور ڈھیری کی دیر باوی پر ہیر و سہرے کے نہیں
 شروٹ کو تھے ہیں - اور انھیں کھل کرنے کے لئے آدمی سے کھن پیکر ہو جاتے
 ہیں - نیچے بات دھرم دہی کی تھی جب وہ جی ناگہم میں جیت سے لوگوں کو روک
 کے شنگے میں چپ چاپ ایک کرنے میں بیٹھا شاید ان خوابوں کے جال میں لپکا تھا
 جو بالی کی ریشم کے بعد حقیقت بن گئے جی ناگہم کے احاطے میں ایک بنادہی اہلی
 کا بیٹھا تھا - اس پر اہل علم فتن میں اور کوسے زیادہ مٹا کرتے تھے اس کے
 گرو ایک جڑا سا بڑا تھا - اس میں گنہ گار تھی - آؤ مجھے اُمات کے الگ الگ
 کمرے تھے مگر وہ ان اہل داروں کا ڈھیری جیوں تھا - ان میں جھوٹے موٹے
 کو کر لٹسٹ و اسٹنٹ اور دنیا جیسے کے اٹھانوں میں جا بیٹھا - چپ مٹا ہوا
 کرتی جیٹا بالی ان دنوں ایک چھوٹی سی فلم کر رہی تھی - سکونی میں کام کر رہی تھی -
 اندھالی "نندی" میں دیپ کارول کر رہی تھی - دھو بانا کر رہی تھے گئے چنا
 لی تھا - دھار سین میں ہوئے تھے گرائی ہم نہیں ہوئی تھی کیونچھ کر رہی
 قی کی آواز کے ٹرائل ہو رہے تھے گیتا کے دو گانے ریکارڈ بھی ہو چکے تھے
 اس زمانے میں سسٹما، بیگ، امیر بالی کرنا تھی اور منہ گھڑس کا بول بالا تھا - غام

مستازہ و سرائی کا زار تھا کچھ - محمد رفیع عزیز معروف تھے - کشور کی آواز نندی
 میں ایک غزل کے لئے بیٹھ چھری تھی - دیوانہ "نندی" کا ہیر و تھا - مگر اپنے
 ہم عمروں ہی میں جا بیٹھا تھا - چکر کے آؤ پر کوسے اور نیچے یہ سب جنگلی میناؤں
 کی طرح کچر کچر باتیں کیا کرتے - ان میں دھرم دیو ایک طرف بیٹھا دھیمی دھیمی
 مشکو اکرنا

اندھالی جی باتوں کی تھی - کلید کو رکابی تو لچکاتا ہوا چوتھے والوں
 میں گھٹنے بیٹے کو لگاتے - اپنا کیر رہتا تھا -
 پھر بھی وہ اندھالی کو کرید کر پوجھتی اور اندھیمی ان جانے میں مجھری کر
 جاتی -

"دلیت کمار اور کامتی کو شل کا "شہید" بن رہا ہے -
 ہا کپلا اندھ کو دیکھ کر شرافت شہزاد کو تیا ہے -"

دکھتار دھار کو بہت ہنسا آئے - "دھما" مثال میں اندھ کی لائل
 کر رہی تھی - شوٹنگ ہو چھو اسٹوڈیو پڑھ رہی تھی کشور کا ایک اشوک کمار کو
 دیکھ کر وہ کھل جاتا تھا کیونکہ وہ خوب اسے بنگلہ میں ڈانٹتا تھا -
 "گیتا بالی کا کسی سے نہیں جلتا، وہ تو پچھلے سب سے مشغول کرتی ہے"
 "دھرم دیو تو سوائے شغل کے کسی سے بات نہیں کر پاتا -"

زندگی میں انسانی کئی باتیں کرتا ہے -
 ادھلی زندگی کی ریزنگ دھلی ہی شہ ہے - جسے عشق کو نہا نہیں آتا وہ
 نویں پر دھلیں پر کیسے چڑھتے ہیں کمار نویں دھوں کے تو ملیں کیسے ملیں گی؟
 دھرم دیو پرے دھار کا عاشق مزاج تھا لیکن اندھ وہ باری باری
 دھلی پر زور دھتے عاشق ہر کھا تھا میں وہ خود بھی شامل تھی - مگر جی تیری
 سے بجا چھٹا اسی سرعت سے آ رہی جاتا - اکثر تو ایسا ہر کھا تھے وہ گیتا بالی کے
 لئے ہنگام تھا - شام کو چلتے وقت دھو بالا دھار میں میری جیت دوسرے دن
 آتا تو سلیت جہات کوئی پناہی واقف کا شیش پر لگتی لیکن وہ پرتک
 پھر شغل کے عشق کا بقوت سوار ہو گیا - شغل کو اس نے سبائی سے لیا تو کھانا

بیٹا بیٹیا کا منی کرشل پر فریفتہ ہو گیا، مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ لوٹ پھر کر گاڑی آکر منگلا ہی پڑ گئی۔

ترتیب ایل گئی تو وہ تہمتوں کی صورت بناتے ہوئے پریسٹار یا اور رشتا یہ
مذہب پر بھیجا رہتا اور اشتہار کی آنکھ میں بالک دگھس گئی موقوف چپک نہ رہتی تو
دھرم دیوتا سے اپنے مفید جھک کرتے کہ دوا من سے اس کے کھلے ہوئے
آنسو کیے تو بچتا۔

اس دن منگل کے جوگیت ریکارڈ کر دیا وہ آج تک ہٹ ہے۔
 وہ کانے کے سے آئی منی گروس کا سائونڈ سلاو بائیل جن ایجنسی کے محمد دار
 گیسو اور محمد سیدی محمدی خٹہ ان کے والی نکھیں اس کی چوڑی نکھیں۔ کیوں کر لے
 ایجنٹ سے چھٹی۔ اور محمد دار کو دیکھنے سے دم دیوٹو نواز ڈول نہیں۔ جو اس کا
 دھوبالابھایت ہوش نہ بابا زمین دے رہی تھی۔ اور دوز و دیوار اس پر پڑا جان
 سے عاشق جو رہے تھے، مگر دم دیوٹو جان باہر منگل کے وہ جان میں

مفت تھا۔ منظرِ چلی سہی تھی، جیسے کانے دایوں کو توں میں کواڑی
 جلدوں پر چڑھنے کی ایک مریضی ہوتی ہے۔ شکل صورت سیکس ایل سب بظاہر
 اگر کھانہ نہیں کھانے، داؤں کو ان راجوں سے نہیں گزرتا پڑتا ہے۔ میک اپ
 میں کے خمرے کو ان دونوں میں صرف اتنی کی سعی میں تھا۔ اب تو یہ لوگ غوغا
 ہی میک اپ کر لیتے ہیں۔ کاسٹیم اچانچ کی اہمیت ختم ہو چکی ہے۔ اُسے صرف
 ایکشن ڈان کے کپڑے لئے کی خبر رہی ہے۔ آج کے آداکار تو اپنے مرزاؤں
 سے کپڑے انہی مرضی سے پہناتے ہیں اور اپنے پاس ہی رکھ لیتے ہیں۔ عموماً
 دایں کرنا قبول جاتے ہیں۔

مگر ایک اور اسی قسمی جو حرمِ دہلی کے گرد گھومتی مار کھنٹی ہوئی تھی۔ جسے
مسئلہ کے جہدِ یگانہ میں نہ در نہ تھا۔ مجھے ساتویں اسٹیشن ڈار کوئی نہ
کوئی کیفیت نہ کوئی مستقل زندگی تھی۔ یہاں سے ایک جگہ
عدم اور وجود برابر۔ سیٹ پر ڈار گڑھا جات کر رہا ہے۔ مگر اسے کانپا گستاخی دے
ہی کیا جا رہا ہے کھڑے کھڑے نکال دے گا۔ بیرونِ سیر وں آئے صدمے
چکر دے رہی ہے۔ کوئی پریشان حال نہیں۔ بس باغیچہ اسٹیشن پر۔ ساری
خیز و سلاخی دم گھڑے نہ بات پر دل تلے روندی جا رہی ہے۔ گھوٹوں کے
ہاتھیں سب کچھ۔ کچھ بوجھ غداں و درجہ جھیل رہی ہے۔

قرآن کا میل لانی سوئدی سوئمہ کا نہیں کہتی ہیں۔ نے رجو۔ جو ہے کا
 نصیب منتر دے جائے گا۔ پھر کلام کو ملنا اترنا جائے گا تو چاروں سوئمہ کا نہیں
 بند ہو جائیں گی۔ ایک سوئمہ کے دو سوئمہ کی رجو جیستے رماڑی بھی نہیں
 باز نہ جاتی۔ بات کرتے چھوٹی موٹی کی طرح کہتے جاتی ہے۔ گے ہیں رس
 سے تو کیا۔

مگر اور بھی تو کوئی سہارا نہیں۔ سب ہی مسلک کا جانتی ہیں۔ اُن کے عشق کے شعلیں لپک تو ہے پڑ جھکن بھی ہے۔ چڑھتی کمائیں ہیں سہرا عار و فخر پر نہ رہیں۔

مصلحت اسی میں ہے کہ کوئی شخص دینی معنی میں سحر کا ہاتھ پر دلو کہ بیعتیں برقرار رہیں۔ اس کے آئین کی تائید باوجود مخالف کے عقیدے میں پناہ تو ملے گی اور ذیل کا شکار نہ جائے تو دنیا کی خبر لینے پلو۔

چنانچہ دھرم دیونے سبھی متھلا کو اپنا دل منبھلا دیا کہ تباہی کی ریلیز کے بعد شادی اور رہنی مول۔

اور بائیں کی بازو کے بعد مینوں زمین پر بیٹھ جانے کی مہلت نہ ملی۔ وہ دھڑکے بازوئیں اور ایک سے ایک اوجھا افسردہ شخص جو کل تک دخل و مقدمات کی حیثیت رکھتا تھا ایک دم عقل کل کے مرتبہ پر پہنچ گیا۔

معاذ اپنی غمِ بناؤں دھرمِ جی کیوں دوسروں کی تجوریاں بھرتے ہو۔

ان دونوں خود مختار پروڈیوسرز کی تیزی سے آگے جا رہے تھے۔ اس سے پہلے فلم کمپنیاں ہی فلم بناتی تھیں جن کے اپنے فلم اسٹوڈیو ہوتے تھے مستقل اسٹاف ہوتا تھا۔ اپنی لمبائی اپنے سٹورٹسٹین۔ رات کو شوٹنگ ختم کی تب ریش پرنٹ تیار۔ کام شروع کرنے سے پہلے ریش پرنٹ دیکھ کر آگے کام سوا۔ ایک کمپنی سال میں زیادہ سے زیادہ پانچ فلمیں بناتی تھی۔ لیکن ایک فلم کی دیکھیے فلم کا سودا امریکا تھا۔ مقبولہ ڈسٹری بیوٹر ڈسٹری بیوٹر کے ہاتھ آدھوں کا ڈالنے۔ جنگ کے بعد ایک دم سنیما ہال بے فلموں کی ملک جرمی۔ نئے نئے ڈسٹری بیوٹریاں ہیں آئے کمپنیوں میں پہلے ہی سے پرانے ڈسٹری بیوٹر ڈسٹری بیوٹر تھے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ زیادہ فلمیں بنائی جائیں۔ چاہتے تو تھا کہ زیادہ کمپنیاں بنیں، اسٹوڈیو بنیے، فلم سٹار بنیے اور یوں فلموں کی تعداد بڑھانی جائے، مگر جو کچھ نئے ڈسٹری بیوٹر کم سوا رہا لاتے اور اسے بھی کسی مستقل اسٹوڈیو میں جوتا نہیں چاہتے تھے۔ دس پندرہ سوار سے کام شروع کرنا جانتے تھے۔ اس لئے ایک نیا ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان دونوں ڈسٹری بیوٹر نے سوچا کہ فلم بنانے والے کمپنیوں کے مالک میں کچھ ڈاکٹر اور فلم سٹار ہیں، کیوں کہ انہی کے نام پر فلم چلتے ہیں۔ لہذا انہوں نے ان ڈاکٹروں سے کہا کہ وہ مالک کے حکم کے پابند رہیں۔ پوری فلم نہیں ایک ایک سٹیج کے حق التعمیم

نیچو۔ ہم قسط داروں پر قسط وار فلمیں بناؤ۔ کون سی شکل بات تھی۔ قسط وار فلمیں بننے لگیں۔ اور اب جلی میٹ جال نیسی اتنا آسان ہے پروڈیوسر بننا۔ دس پندرہ ہزار اور دھڑا دھڑا سے گھیر لاؤ اور بن کاہی چاہے پروڈیوسر بن جائے۔ سب کمپنیوں کا اسٹاف ایک الگ پروڈیوسر بن گیا۔ کمپنیوں میں اتورہنے لگے۔ جیوڑا کہیں کرتا کچھ ٹیکے اور باقی نے من قسط وار پروڈیوسروں کا اسٹوڈیو کر کے پورے شہر کو کہے۔ اب نئے پروڈیوسر بن گئے۔ اسٹوڈیو بن گئے۔ اسٹوڈیو کی کوکٹ ڈور شوٹنگ کے کام میں باغلام کٹر چمکے۔ ان بنانے میں قسطوں پر فلم بنانے والوں کے دوائے نکل گئے۔ پھر پروڈیوسر بن گئے۔ کئی بڑے اسٹار کرنا اس کی فلم قسطوں پر بننے لگی۔ باقی رگ فلم بنانے سے زیادہ فلمیں وصول کرنے کی

فلم بنانے کے لئے ضروری نہیں تھا کہ کوئی مشہور اداکار یا ڈاکٹر ہی ہو۔ اپنے ڈاکٹر جو کمپنیوں سے تو کٹر خود مختار بنا دیئے گئے تھے ان میں سے اکثر روحانے گئے۔ لیکن اسٹاف سے اسٹوڈیو میں فلم بناتے تھے جہاں دنیا سحر کی انسانی تھیں۔ فلم سٹار سے ڈپٹ لینا۔ اسٹوڈیو بک کرنا، نہ فلم کام کے لئے دفتر جاکر، نہ شوٹنگ کے لئے آج میں کان دہاں سارا سٹوڈیو رائے کرنا یا کچھ کی دیکھا بیٹھ کر اور ان کے متعلقے میں بیٹھنے والے نئے ڈسٹری بیوٹر کے فلم شروع دی جو سٹ ہر مہینے۔ جیسے دھرم دیو نے!

اس کے بعد تو ڈسٹری بیوٹر کو لینن ہو گیا کہ اگر بڑے اسٹار ہوں، اچھا میوزک ہو تو اگرچہ فلم بے ادب قسطوں میں شریک ہو کر دھرم باٹن کیسا ہے۔ لہذا انہیں نے کہہ دیں کہ یہ نہیں چاہتے۔ فلم سٹار اور میوزک۔ اور ان کی ایک بڑھی تو انہوں نے دھرم بڑھائے کسی کی جیب سے تو جاتے ہیں۔ پیر تو آخر میں پبلک کی جیب سے آتا ہے تو کس نہ جانتے وہ دیتے جاؤ۔ ایک ایک اسٹار میں پس فلموں میں شریک کی اور ان میں پروڈیوسروں کو بیٹھنے دن بیٹھنے میں اس کے بیٹھنے میں آئے ان کو دے دیئے جن کی نہیں نہیں انی نہیں وہ رہ گئے منہ دیکھتے۔

اب بھارے اسٹار پر ایک امدیدیت ڈی۔ اتنی فلموں سے آنا رو دیر آنے لگا کہ اسٹار سب انٹیکس داؤں کے سامنے ظاہر کر کے تو کس دور ٹیکس لگ کر سب نکل جائے گا اس لئے لاہور پر یعنی لیٹر رید کے روپیہ کیلانی چل پڑا۔ اب خود مختار پروڈیوسر پروڈیوسر کو روکنے کے دوسرے جنجالوں کے ساتھ جھوٹی رسیدیں بنانے کی دھم داری اور بیٹی ڈرگمیں۔

”ہاں کی کامیابی کا جن منانے میں وہ ہمدردیاں جرائی کے پیر کے نیچے بیٹھ کر کھتے تھے۔ انہیں نہانے کی فرصت ہی نہ ملی۔“
”ہاں کی کامیابی میں کچھ نہانے کا دخل تھا۔ فلم کے گانے ہی اس کی جان

مد منگل..... ناگپور کے پاس چاچی کی ساتھ بیگمہ زمین ہے چل ہاں
اے کے پیڑ بہت ہیں بس جھاڑوں میں لیٹیں گے.....“ دھرم اٹھ کر بیٹھ گیا۔
جیسے اسی دم چل پڑے۔۷-

دور اور اعلیٰ تھے تیسے ریڈ ہنڈ پلیس گئے۔“ منگلا نے مجھ پر اکر دیا۔

مدادہ! "منگھا کی موسیٰ دروازے پر کھڑی تھی۔

ۛ منشکار موسیٰ :- دھرم نے اس کے پیر چھوڑنے کی دھمکی دی

”مجھے یہ مژدہ دیکھے کی باتیں انہیں سمجھاتیں تین دن سے مورکھ نے ایک چاول کا دانہ نہیں ڈالامنے میں۔ اب انہیں چھٹی۔“

دو موسیٰ، لاکھ کر رہتا کہ خالو بیٹا تھا، لاکھ موسیٰ کے دانے پر اسے ہلے
آنے لگا کر تو اسے اپنا سمجھے۔ پیارے بام لے بسب شکوہ شکایت بھول
جائے۔ چاہے اس کی موسیٰ ڈانٹ بھی تباہ۔

گستاخ مار تھا موسیٰ کی شیکار میں!

اور بالائی کے کٹر کٹر مخالفین نے اسے پہلے ہی موسیٰ اس کے میٹھی میٹھی باتیں کرتے تھے، میٹھی میٹھی گویاں، اندکونین، اسٹاکا کراس سے لے کر بھٹکا کر پڑتی تھیں، امباہائی اس کے خون کے پایہ ہو رہے تھے، چٹا ہی اقم تھیاں گھٹیاں دے رہے تھے۔

آج آئے انہوں جیسے طعنے دیئے جا رہے ہیں جس کے غارت ہونے کی
دعا میں ناملی جاتی تھیں اس سے نہ آنے کی شکایت ہو رہی ہے کیونکہ اگر وہ
منکرگ اٹھا نہیں پاچا تو چونکہ جوڑا ہے اب اس سے شادی کے لئے
تقاضے ہو رہے ہیں بلکہ ان کا بھائی پر دو بیس لکے کی سوچ رہا ہے۔ کئی دفعہ کہہ
چکا ہے کہاں تک میرا سر کر دوتاؤ آفت سائین کوں۔

وہ دیکھے اُن آگے تو نکلا سے زیادہ اب اس کا دھرم دیو کی طرف
میں بے حال ہوتا ہے کبھی اس سے ملنے پر چار چوٹ کی دھمکیاں دی جاتی تھیں۔
آج آئے چوکنی ٹاشیں اس بات پر یقینی پڑتی ہیں کہ وہ آئے چھاس کیوں نہیں
چکتی۔ دھرم دیو ہاتھ سے نکل جائے گا۔ تھوڑی سی مسکراہٹ کے بعد بازو اٹھائے

بالی ناستے، دقت و حرم و یو ایک ٹھم ٹھام سمیٹتھا۔ وہ سال کا کامیاب ترین ڈانکر نہ تھا اور اب اس کا نام سارے ملک کے گلی کوچوں میں پوسٹوں پر لکھا تھا۔ فیلڈ سٹری میں، اس کا نام گوجی رہا تھا۔ کچھ گورنمنٹ کی آفیس میں سٹنگ رہے تھے۔ ڈسٹری بیوٹر اس کے نام کی مالا جپ کر رہے تھے اور

منظلمانے دو دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ تیلی فون کر کے ہار گئی۔
دھرم جی کا کہیں یہ نہیں ملتا۔ کہانی پر بیٹھے ہیں۔

ایسی تہی کہانی کی، جاؤ بیٹھے کہانی پڑھا جائے میری سادھی پڑھی۔ اور جب دھرم کو تہہ لگا تو وہ نکلے پھر یہ بھاگا آیا۔

”درنگی میری جان — میری روح میرا سر درو سے
 پھٹ رہا ہے۔“ اُس نے آتے ہی اپنا سر منگھلا کر گود میں رکھ دیا۔ اپنا ناکہ بھول

کر وہ آکس کی کنپٹیوں میں ہاتھ لگی۔

”اے ادھ۔ یہ لوگ مجھے پاگل کر دیں گے۔“

”وہ تو تم پہلے ہی میرے لیے موز“

”رستا کہنتی سئے کہانی لڑکی کی مونا جیہئے“

”تو کھڑا رہ کر کہو“

مدد پر کاش کتا ہے ریتا کو مار دگولی، کوئی ٹی ٹی چھو کر می ڈال دو واحد سکس اپیل پر
کیش کر۔“

مدد داہ۔ اور چھوٹی کے کپڑے تو کیا کھال بھی اتر دالو، چوں نہ کرے گی، بلکہ احسان مانے گی۔ منگھلنے تیر مارا۔ کپڑا کم سیر دن زیادہ۔ ناکدہ ہی ناکدہ ہا

دو اور سنسیر کو جا کر غم سمجھاؤ گی ؟

”تو تعینِ کتنا سمجھایا جو اپنے سر کو نصیب سمجھاؤں گی۔“

۱۱. مشکل خفا مری

ۛ اگر کہوں ہاں، تو ۛ

اور خاندان والوں کا تقاضا تھا کہ یہ کیوں جان کو مٹا رہا ہے؟ اس کی وجہ سے خواہ
نخواہ کی بدنامی ہوتی ہے سوا لاکھ دویسے ہی کمزوں کی کمی ہے۔ آپرے سے یہ تو ناہوا
ہے۔

اور تو ریتا کی کچھیں کچھیں نہ آیا۔ ایک دن بائی کی خوشگاہ کے زمانے میں مہر
کے کندھے پر سر رکھ کر خوب بیٹھ بیٹھ کر روئی۔ دھرم دیوں کا کپال کے رہ گیا۔
تم دو سر اٹھتے ہو جس شیک ہو جاتے گا۔ اس نے ساری رو داؤس
کر ڈھلایا۔ اور شام سے پہلے پہلے نئے ٹلیٹ کی چابی دیتا کہ بڑا دی۔

مگر راجا جی بڑی طرح پھیل پڑے۔

”تو کھینچ کر لے بیٹھے۔ مٹی کی مڑھول آج میری بدولت آکاش پر بھاری ہے۔
تو کہتی ہے میں طوفان ہوں میں بنا جانا ہوں تو کھانا میں جانا ہوں۔ ایسی ہی
تبی کر کے رکھ دوں گا۔ سارے کا شریک نہ نکلا دیتے تو اندر جیت دیا نہیں
بھگی اپنی آئی خاندان والی۔“

دیتا تھر تھر کانپنے لگی۔ درباری کو وہ دو تاساں بھگتی تھی۔ ذاتی وہ ان
کے ہاتھوں کا میں تھی۔ تب بھی تھی تھی۔ تب بھی تھی درباری اسے خاک
میں ملا دیں گے۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ درباری خالی مڑھول تھے۔ یہ اسے
اندیشہ ہی میں رہے کہ معلوم ہوا، اس نے اس وقت تو اس نے وعدہ کر دیا کہ
صرف دکھاؤ کہ وہ نئے ٹلیٹ میں رہے گی دیے اس کا تمام خالی وقت وہیں
گزرے گا۔ یوں ہی لاٹھی پٹتی رہی۔

لگا لگا آنداؤں بڑی ٹلیٹ اور درباری سے جگڑے کی خبریں ملک پرچ
ملا کر لوگوں نے منگلا ملک پہنچائیں۔ کچھ اخباروں میں بھی دونوں کے نام بہت ساتھ
ساتھ آ رہے تھے۔ درباری دھرم دیو کو شہر نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔
منج سے منگلا بے پاؤں کی جلی لی طرح سے لال کمرے ایک کمرے سے دوسرے
کمرے کا چکر کاٹ رہی تھی۔ ماں کے اور بھتیجے اصرار پر اس نے دو تین باہر
دیو کو فون پر یاد دہانی کی تھی کہ آج رات دیکھا تو مجھے جس میں اس کی شرکت اور اس
نارسی ہے۔ اگر آج وہ سب کا چکر نہ کرے آج تو بھر منگلا سے ہاتھ دھو بیٹھے، ساری

مقرر صورت نہ دکھائے گی۔

بڑی شکل سے وہ بار اور دینک پیار کی باتیں کرتا رہا منگلا کا انگ انگ
ہلک اٹھا۔ سارے خاک شے دل سے دڑھو گئے۔ وہ اس کا بے اور دنیا
کی کوئی طاقت نہیں جانتا نہیں کر سکتی۔ آج کی پوجا میں وہ بیٹھتے منگلا کے منگتر
کے سارے خاندان کے ساتھ شریک ہوا۔ اب بات بھرے کی حدوں کو پار کر چکی
ہے۔ وہ تو اسے انبا نام ہی جی جی تھی وہ خاندان دا سے بھی سو بھار کر لیں گے۔ اور
دیکھتا کہ آشریا مارا دل جانے نہیں دکھاؤ کہ سات بھیرے رہ جائیں گے۔
دھرم اب دھرم جی بڑے آدمی ہو گئے ہیں۔ اب کھنڈ شینا اس میں دن بھر
بچہ کرکوں کے اندر لیتے ہیں، مجھے تو تھا ہے ان کی سنت ڈنڈا ڈول بہرہ ہے۔
اور پھر ریتا لاکھ کی مڑھول بھری۔

ابھی تو ملی فون پر کڑوں میں رس گھول رہا تھا، اور ریتا کی باتیں سن کر بھر
کڑوے کے شہتات بس گھولنے لگے۔ آدھ کھنڈ ملک شیلی فون کھنڈاتی رہی۔
معلوم ہوا نتیجہ ہے، گھر میں مہمان آنے لگے بھٹائی اور پھل پھول کی کتابیاں لپٹنے

گیں۔ نیچے سیڑھیوں پر دھما پوڑی چارہ تھے۔ بڑی سڑاری کے بعد دفتر کا بھر
جلا۔ معلوم ہوا کہ ابھی ریتا دیو کو سر ہو ملک پہنچائے گئے ہیں۔
پندرہ منٹ بعد پھر فون کیا۔ معلوم ہوا ابھی نہیں ٹوٹے۔

پھر فون کیا۔ ہاتھ بڑی طرح لڑ رہے تھے۔ اب کے دھرم دیو کی مٹی آواز
کان میں غری تو منگلا کی زبان نالہ سے چٹ گئی۔ اپنے ٹکی دلی پر بہت متفقد آیا۔

”دو کیا ہے منگلا بار؟“

”آ رہے ہوں پوچھو میں؟“

”پوچھا؟“

”ہاں..... دیکھا تو مجھے نا۔“

”اوہ اوہ! دھرم دیو کی آواز بچہ لگتی۔“ وہ بات یہ ہے منگلا منگلا تو اس کا منگلی

آیا۔

”تو تو تمہیں آ رہے؟“

دعاؤں کا تو پرشاد دیر ہو جائے گی
مرد تو جاگے بیت جائے صاحبؑ

دو ٹکڑے شکلات یہ ہے... سنو..... تو شکلات
مگر شکلاتے میں قوی بیخ دیا اور کہیں میں سروے کو مڑ پر چھب گئی۔
دو دہیں آ رہے ہیں؟ بھیتانے تیرا۔

دیکھتے ہیں خاں دیر ہو جائے گی، آئیں گے تو یہی
دو دیر تو یہی ہی نہیں جلدی ہی ہوئی ہے۔ ایک پچھڑا ہونے تو دماغ سلاو
آسمان پر چڑھ گیا
دو توفان ملا میں بات کروں گی، ماں پورے ہاتھ پر چھپی لکیں۔

دو نہیں کسی کی نئی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ماں، آتے ہیں آئیں نہیں
آتے نہ کہیں۔ وہ تو بس خوشامد کی نٹ چڑھتی ہے نہیں۔ شکلاتا مٹھ لیتے کو کہا
تو مال گئے بعد شریف لڑکیوں کے لئے یہ لائن اچھی نہیں؟ شیار پر بیٹیا بڑی طرح
دیکھتے ہوئے تھے۔

تو جا کا وقت ہو گیا ہے، سب کو دھرم دیو کا اتھا رہے، بار بار سب کی
نظرں شکلات کی طرف اٹھتی ہیں۔ وہ چورسی بیٹھی ہے، کاش وہ کے کو مخصوص ہیں
بھینچ سکتی۔
سات، سات، سات، آٹھ پھرو، کوئی نہ آیا۔

گیارہ بج گئے، وہاں جا چکے تھے مگر شکلات دوازے سے مٹھ گئے حرکت
پر بیٹھی تھی۔ جیسے ہر سنی و سنا موت اپنے لڑا دیا ہی کے لئے انتظار میں بیٹھا
کرتی ہے۔ براہی نوہ کنواری ہے۔ شاوی کے بعد کیا ہوگا؟
اگر کچھ بھی کام نہ آتا؟

مگر کیشیہ نام نہیں لوٹ سکتا۔

کیشو دھرم دیو کا سب سے اہم چہرہ تھا۔ وہ مٹی کی ٹاکڑوں میں کاشی میں متاثر
انے لگا تھے میں دھرم دیو کا اڑھا رکھ دیا کرتا تھا۔ کتے سڑت ہاتھ تھے،
پان کھاتے تھے، اٹھتے تھسٹا تھے۔ یہ دھرم دیو نہیں بھولا تھا جب اس

کا پہلا کانٹہ کھٹ ہوا تو کیشو اس کے ساتھ آگیا۔ کوئی خاص کام اس کے ذمہ نہیں تھا۔
وہیں بیٹھ کر جانا، اٹھٹا تلوانا، درلی نا کر سے بیٹھے لوگ لانا، مگر اب بیٹے دھرم
کی جیب سے آتے تھے۔ وہ سامنے کی طرح اس کے کونڈہ لانا رہتا۔ یا تھو دھرم
بھی جانا تو وہ باہر سر ہا کر لیتا۔ اگر شکلاتا اسے بائیں ہونے تو دھرم دیو کی مجال نہیں
تھک کر اس سے واہ دیکھ رہتا تھا مگر اس نے شکلاتا کو نہیں تھکا دیا تھا۔ اس سے ہتر
گھر والی دھرم دیو کے لئے نہیں مل سکتی۔ کوئی تو نہ اور گھوڑے کی گلائیں کہ جیسا
رہے۔ دھرم دیو ہی نہیں بہت سے اس کے دوست پر دو دھرم دیو بھی کشتو سے
مڑوب تھے۔ اگر کوئی ذرا بھی اس سے اگر فون کرتا وہ فوراً اس کا تھکا کھاتا دیتا۔
امیان وار ہی نہیں تھا بلکہ دوسرے چھوٹی کی ساکھ بچاؤنے کے لئے دیکھی کی تو ملیں
جیب سے دام مچھ کے سستی لانا۔

لوگوں نے دو گئی تھی، دو گئے وہ کڑا سے دھرم دیو سے تھوڑا جابا مگر اس نے
صاف انکار کر دیا۔

”دھرم دیو تو مجھے کوڑی زدن اور جوتے مار کے نکالیں تب ہی ہنیں
چھوڑنے کا“ جب دھرم دیو یہ بات سنتے تو قبول کرنا ہوتا تھا۔ نہ جانے کتنے
سال انڈیشی میں گزرا ہے کبھی چھوڑی لوڑی کے چھتے میں نہیں بیٹھا۔ اپنی
نہایت گھڑوسی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ اسی پرانے دادر کے گھر میں رہتا تھا
کبھی شراب کی ایک بیڈھیلی بیٹھی۔ حالانکہ ہر وقت بول پاس رہتی تھی، نہ جانے
کون کب مانگ بیٹھے۔ اس کی دھندلکوری بس دھرم دیو تھا۔ نہ جانے ایسا کب
انڈیشی میں کیوں اور کیسے زندہ تھا۔ شکلاتا جاتی تھی کہ وہ دھرم دیو کے لئے مخرب
ہونے سے بھی گریز نہیں کرتا چاہے وہ بیٹے پلانے کی پادری میں جوتی کر دیا ہو جب
اس سے پوچھتی کہتا ہے۔ کہا ہی بیٹھے ہیں۔ خواہیں ہو رہا ہے، خرمیں سنسن
رہے ہیں۔ بعد میں دھرم دیو خود جنرل دیتا تو وہ بات بتانے لگا کہ دھرم دیو تو
بس بیٹھتے تھے ایک بوند بھی نہیں پانی۔

بالکل تنگی کی بیوی کی طرح وہ دھرم دیو کی دیکھ بھال کیا کرتا کہیں وہ کسی گھر سے
میں نہ بیٹھا ہے۔ ابھرتے سوزن پر اوڑھا دھر کے بادل مٹھانے تھے۔ سیاہ
گھنگھرو بادل۔ زہیرا اس کی نئی سکریٹ پر کام رہا تھا جڑا دل بول آدھی

وہ ہوا آدھری کوئی بولا..... بدکس کو بھگتا۔ وہ لکھڑائی میں آواز آئی۔
 بھیک لکھڑی ہنسی کی جھلکا گونئی اور ٹہلی ٹون کا سیدکٹ گیا۔
 چند لمحوں تک وہ انھوں کی طرح رسید پر کڑے بیٹھی رہی۔
 کھٹا سناٹا تھا، ابھی بچھے پہر کیا غافل سو جاتا ہے۔ پڑوس میں کسی بیوقوف
 نے کسی کا دل نہیں کیا تھا۔ کھٹنے سے یہ گواہ اس کے کانوں میں برسا کر رہی
 تھی۔ اس نے لکھڑی سے جواب کہہ کر دیکھا پہلی منزل سے زمین کوئی آٹھ دس فٹ
 ہوئی۔
 دو دیکھیں اہل کے تھے سسکیوں کی طرح چوہرے کی ٹھنڈی امتیوں پر بڑ
 رہے تھے آدھریوں کی چٹیں اس کے دماغ میں بھر گئیں۔

تھا۔ اس کی باتوں میں دھرم دیوا جاتا تو کشتہ کو تانا مھول جاتا۔ تپ وہ شکاری میری
 کی طرح تمام میں بڑھ یا پھرتا۔ جب وہ لوٹے اور تپ جاتا کہ خط ناک کا بکھن صرست
 تاریل کا پانی پیئے یا بخود کی دوکان پر پانی کھانے گئے تھے تو اس کی جان میں جان
 آتی۔

کوئی بارہ بجے کیشوٹھا، منگلا اسے دیکھ کر بے تعلقی سے موبھی
 دھول دس بجے برن صاحب مڑن اسٹوڈیو میں پہنچ جائیں گے یہ پرسل کے لئے
 گاڑی سے آؤں؟

منگلا جیسی بھٹی بکھوں سے اسے دیکھنے لگی، اس نے تو کسمت کو دھرم
 کی کھوج میں بھیجا تھا۔ یہ کیا ہے کچی آڑا رہا ہے وہ کہاں ہیں؟ اس نے جیڑ کر
 پوچھا

آہنوں نے مجھ سے کہا ہم جا رہے ہیں تم برن صاحب سے پرسل کا نام پوچھ
 کر دیدی کو بول دو۔ میرے سامنے وہ اور رندھیر صاحب کوٹھ میں بیٹھے۔ اور.....
 وہ..... وہ کوئی جہانہ چھوڑنے لگا۔ بد شاید گھر جا کر سو گئے۔

تو ہاں نہیں بیٹھے۔ فون کیا تھا۔ منگلا حرج کرنے لگی۔
 تو..... تو..... چھ..... وہ مجھ میں کی طرح قائل ہو گیا۔

وہ کہاں لے گئے؟
 وہ وہ رندھیر صاحب کے ساتھ..... رہتا دیدی کو کہاں آنا تھا۔

وہ رندھیر خورہ آٹھ بجے سے فون کر رہا ہے؟
 وہ تو..... دیدی میں ابھی جا کے دیکھتا ہوں.....

وہ کوئی ضرورت نہیں؟

وہ ٹیکسی کے تیار ہوں، فون کروں گا؟

وہ کہاں تم سے کوئی ضرورت نہیں، منگلا نے ڈپٹ تباہی اور کیشوٹھ کو

تھکاتے کھینک لیا۔

وہ خاموش بیٹھی بات دہرا کر گھورتی رہی۔ پھر رجبے پاؤں پنجوں کے بل
 چلتی گئی۔ تیلی فون آگیا۔ ایک بار اور قسمت آزمائی میں کیا ہرج ہے؟

پیا سا، حکم حکم، جسیر دشمن کا جبر۔ یہاں تک کہ دشمنوں کے دل بھی سبک گئے۔
 جوں ہی مشکوٰۃ کی بصیرت ٹھیک ہوئی دونوں کی شادی ہو گئی۔
 ہونٹ کی ہزار بار ادائی ہوئی چاہے بیٹے رائے کو اگر بڑے پر نفیس نگیری کی
 پیتا سبیل میں دم کے میں تو اس چائے میں دسکی جیانی فضا ہوتا ہے۔
 دھرم دیو کی کہانی پر کام کرنے میں یوں مایہ ناز ہوتا تھا۔ وہاں ادنیٰ ہوں
 چائے سے کئی زیادہ ادنیٰ ہوئی چھو کر یوں کا لنگر میں بناتا تھا۔ مگر دھرم دیو کبھی
 اس لنگر سے بھجوتہ نہ دیکھا۔ اس نے بہت اپنے دل کو دھوکہ دینے کی کوشش کی
 بد مزاجی اور اختراعات میں اس کی بات کے لئے عاشق بھی ہونا چاہا۔ گرم اور صحتی کی
 مریخی کے بل بوتے پر گڑو دی گئی تھی اور شربت بالو کی بیج دیدی پر تیار نہ خیال بھی کیا۔
 گڑاں کی کھڑکی میں کئی سوئی بستی تھی جسے ہمیشہ انھوں میں آتو بھر دیتے۔

دس دیو ہونٹ کی پسوں نصاب میں مشکوٰۃ کا پیرا دعوت کا سا تقدس لئے
 ہوتے تھا۔ ان تینوں کے بغیر وہ اب تک کیسے زندہ تھا کیا حقائق۔ ہٹا ہٹا
 اپنا کتنا وقت شہت اور دولت کے پیچھے بھاگنے میں ضائع کرتا ہے۔ دھرم دیو
 نے بڑی سنجیدگی سے فیصلہ کیا کہ وہ صرف اپنی مومن ہی شائے کا ایک سلسلہ کبھی
 نہ ختم ہونے والا ہی ہوں۔

لیکن یاغی روز سے ہی لوگوں نے ان ضامیں کھوسے کھوسے پر میوں پر
 کنہ پر بھیجنا شروع کر دیں۔ ہوشیار اور پاک دست ڈاکٹر چھو دن کی طوطی طوطی
 دی میں حکم کر سکتا ہے۔ کیا ہی مومن کے آئندہ کچھ تھوڑی سی ایڈمنسٹریشن سے سیکھنے
 نہیں سیکھ سکتا۔ ہماری ٹریڈی ہے جو نے چائے کو کوئی بھارتے کا مال تو ہے۔
 نہیں کو قان اے ایک نشست میں بیٹا ہے۔ دہلی۔ دیالی کے ڈسٹری بیوٹر خاں
 کو بہت ہی جنرل ہند سے جو چیک آیا ہے اس کے بل بوتے پر نام قلم کا اور
 نمبر دیا ہے۔ انڈیو کی تاریخ طے کرنا ہے۔ اولیٰ مہینہ سچ بچہ گھرانے کا خطہ
 ہے۔ وہاں ٹریفک جام ہو رہا ہے اور کبھی مومن مارے ہیں۔ آئندہ دن میں
 تو بدشاہیں ٹوٹ پوٹ ہو گئی ہیں۔ روز بڑے محل دے جاتے ہیں۔ زبانیں
 ہنسی ہیں۔ اور بڑو جاتی ہیں۔ یہ لائن ایسی نہیں کہ اسے کلیئر چھوڑ دیا جائے۔ دور کی
 سختی سے نہیں چڑایا اور بھی مکتی ہے۔ کیا خبر کسی دوسرے جال میں چا پھرنے۔ آخر

دھرم دیو..... اٹھ..... اٹھ..... اٹھ..... کوئی اس کا شانہ مسلسل کدو
 ہائے بار اٹھنا۔ بڑی شکل سے وہ کمزیر کی تہرے آٹھ اور دیکھا۔ وہ دیکھے ہی
 کر دے بیٹے صوفے پر آٹا کر رہا تھا۔ دودھ کی ایک سلاخ دماغ میں گہری اور
 گہری آٹا کی جا رہی تھی۔

دھرم دیو..... ہسپتال..... ہاکیٹ بچے بار اٹھنا..... وہ ہڈیڑا کر
 کر ایک دم باطل جاگ گیا۔

دھرم دیو کیا برا ہے..... کیوں ہسپتال؟

دھرم دیو کی شیشی لی..... اس کی آٹھ ہاتھوں کے کھل گئی.....

دھرم نے اس کی پوری بات ہی نہیں سنی اور بھاگا۔

نام کر لیں، جا کے یوں ہر اکڑ شکوٰۃ کی جہن خطرے میں نہیں رہی۔ دھرم دیو
 ایک منت کے لئے بھی ہسپتال کے بلاک سے پتہ پڑی ہوئی پتے سے نہیں بھاگ سکتا
 کو کچھ پہچاننا تو وہ چیکے سے اندر کیا ہر ملا چاہا اور کسی دوسرے سامنے آ گیا۔ وہ
 اس کے بغیر ایک ہی جہن کو تار نہیں۔ دودھ کئی کے سیر و کھٹا۔ اٹا بار اٹا۔
 بڑی شکل سے وگ آئے کیفیت کو کھڑے لئے۔

دوسرے دن مشکوٰۃ کو کھڑے آئے۔ مگر وہاں اسے شے کی مہارت نہ ملنا
 کا ہاج۔ ایک طرٹ چھیک کے نہ کھو کے۔ یاد سے دھرم دیو سے کوٹھیلی بھی

کرتی تھی مرن باقی رہ گئی ہے۔ ایک میٹ پر تھوڑا سا کام رہ جاتے تو پھر کٹ گوا کر ڈگر لیتے ہیں۔ یہی مرن ہی تو موامعت اور زندگی کا سوال تو نہیں۔

دوسری طرف تو یہاں سے سیدھے ناک تو چلیں، بس وہاں اہل کے پرے کے نیچے پلید کیوں دھرم دوئے خشک کر دیا۔ اس کی وجہ سے کتنی غلوں کے کاغذوں کی بیکار ڈھنگ لڑی ہوئی تھی، جیسے روز کر کے پھینچے ڈوگر ہزار پرکٹ دو لہا۔ وہاں کی تانہ ترین تصویریں لینے پہنچ گئے۔ ان سے ملان چھوٹی کر کوئی ڈاک کا خلیہ اور بھیلوں کا ڈوگر لے کر ان دھمکا۔ وہ دفنان موانہ ہی کو مہن کر کر اسکا ہو گیا۔

شادی دھرم دبو کر دس آئی اور اس کا شمار ظلم و ستم کی نسبت بنانے والوں میں ہونے لگا۔ پہلے بے کی بدیش پر جو ظلم عین ہوئی وہ سپرٹ ثابت ہوئی۔ دیکھ اس کے نام کی نہیں کھاتے تھے، دھرم دیو کی تو بیا شریع ہو گئی۔

دھرم دیو کیلک

دھرم دیو بیٹ

دھرم دیو سائیل

دھرم دیو کھنسی پان کا دلدادہ ہے۔ "دول نا کر کے پان دے کی دوکان

بہت بو جھٹی۔

دھرم دیو بو جھٹی میں بیٹھ کر اس میں پلے تیار کر داتا ہے۔ "جو جو ہو کر میں

کرہ جانا مشکل۔

دھرم دیو کا درزی، آسم والا، ناریل پانی والا، جاپ والا، خشک کاٹنا، نانا

سائیل والا، چوٹیل والا، اگر دھرم دیو کی بہت تلکی کی رینے سے پہلے وہ افغان سے

بھیر کر پھر میں پسا چڑھاؤں م پر دیا پر دوسرے مالک اس کو چڑھیں پہلے گئے اور اس کی تھی

بیکر بن جاتی۔

شادی اور بچوں میں ڈوب کر خشک نے کام چھوڑ دیا، مرن دھرم دیو کی قسم میں گئے

لائی، دوسرے میں گئے وہ خشک کی بیا ہو گئی، اس لئے تلکی کی رینے پر دھرم دیو کیا بھی

دلی، مکتے، مدراس اور حیدرآباد کے نور پور۔ جہاں وہ حیدرآباد مشرقی پر دس گئے ان

نے بنگالہ کھرا کو تھے نیشاں سے کسی کچھ ترہ ترہ کے پس کی مائی، اول، اس کو

گھیرتے۔ شوقین رو کے اور روکیاں خود روں سے لگائی ہوئی حیدرآباد، بلوے و ناریل

باجاؤں کی جوسے دلی روکیاں، اسکولوں کا بون میں بیل جرنے والے طلباء جیسے سے تنگ آئی ہوئی دھنیاں سب ہی پاتے تھے کہ مادی کی چھڑی سے وہ انہیں بھی کھنسن پریشان سے یہی تلکی کر کے اٹھانے میں گئے اہل کے چڑا سے جو ترے پر چڑا ہوا وہ جھپٹا شریاں اس کی لڑاکا تک اپنا تھاک نہ پہچانتا۔ اس کی پسند اور ناپسند سڑی کا لیا بن گئی تھی۔ اس نے جیسے اپنے کا دیا وہ مرن بن گیا۔

وہ بھی تک وہ دن نہیں بھولا تھا جب وہ کا بیا نہیں ہوا تھا۔ ایک نثار ایشہ میرا تھوڑا بون میں تھی کے بوجھ تلے دیا تھا۔ اسے کھنسی اور شوقین دونوں سے محدود تھی، اس نے اپنی کھنسی اسٹوٹ ٹول دھرم کے ڈاکٹر بنا دیے۔ تمام لوگوں کو چھکا دیا، اگر کسی نے کسی کو اس قابل نہ سمجھا تو اس کا فیصلہ غضب بن گیا۔ وہ کسی نہ بھر گیا۔ اس کے انتخاب پر لوگوں کو حیرت ہوئی تھی۔ اس کا بٹنا نہ اچھو کر تھا۔

دھرم دوئے کچھ یوں ہی سا ڈیوڑھا کر تلید سموزی تھی اور ظلم کے پیکر میں گھر سے نکال کھڑا ہوا تھا۔ اس نے دل میں اہل قلمیہ ہاتھ لوگوں کے لئے بڑی عزت تھی، مگر ایک عین کی بڑی تھی وہ ان کی بڑی بڑی ڈاکوں اور ادب کے میدان میں تھک نہ تھی، دھرم دیو بوجھ رہا تھا، لیکن کبھی بڑی بڑی کھنسی ہی خود اس کی جیسی جہارت نہیں گھنٹے تھے تو اس کی ناگہری تعزیر تھی۔

دھرم دیو کا سٹوٹ کھنٹے کے لئے کسی بہت بڑی توپ کی ضرورت نہیں، بڑی کا

کام سے۔ جو کسی دوسری میں کل کھنٹا جاتا ہے، بہتر کھنٹا جاتا ہے۔ اور پھر

وہ تو اس پر تھکا۔ دھرم دیو کی کھنٹا جاتا تھا، اس کی کھنٹ کھنٹ کھنٹا تھا

ھر وقت کا ساتھ آٹھنا بٹھنا۔ دوسری کھنٹ کی اور کام بھی مرن کے مطابق ہوتا تھا، مگر

دھرم دیو کھنٹ تھا، ایک دن ویسے ہی کھنٹ چڑھا رہا تھا۔ جسے یہ دھرم دیو

میں دھن دینے کی پوزیشن پہنچے ہوئے تھے، اور دھن انداز سے دھرم دیو کی شان

کو بڑھاتا تھا، تو اس کی پوزیشن کوئی اتنی ہی جتنا حاکم ڈاکٹر کوئی اہمیت دن میں تم

ہو رہی تھی، وہ ان مجھے تھے ڈاکٹر میں سے تھا جن کی کتاب کی سالہ نہی ہوئی تھی۔

سیدھیک ایک میں دس دس کر کھنٹ کھنٹا تھا، مگر دھرم دیو نہ بھرا رہا تھا۔

پکھنٹا نہیں ہی مرن میں آ رہا ہے۔ وہ مرن میں ہی کھنٹ دیتا۔ دونوں پہلے د

و حرم و دیوانہ گرد اہم تر تہیں تھا جسے ہوا کا تھا۔ جسم میں گناہا۔
 دیکھنے میں دنگول مثل سا ہو گیا تھا۔ بھڑکی سمندری ڈونگو کے لباس میں کچھ متعلقہ
 لگ رہا تھا۔ چہرے کے کچھ قدرتی حالت اور مٹی کی محبتوں اور درجہوں سے بھی مزوں۔
 نظم و ضبط سے گری، لیکن خود مٹی سے جوڑ اس کی بھی نہیں پہنچے جسے خریدے
 تھے اور صادی اٹھ دھن سے لکے تھے، اٹھنوں نے اس کی لڑکھائی سے ہی دنی کر دیا۔

”وہداس کی کوئی نوٹڈیا ہے۔ پہلے اسٹیج پر شور و یاکرتی ممتی۔ رتی جبرکام کی نہیں

ایک دم بکڑی کی طرح سوکھی دیکھتا تھا دھرم دیو کو اب قسم کی جھجک رہا تھا۔ اپنے کھڑکی سے سوکھی ماری لوگین کو کون دیکھنے آتا ہے؟ کھائی پر بیٹھ جاتی ہے۔ جس منڈی میں دھرم ہونا چاہیے۔ پھر دھرم دیو کو یاد آتا ایک سائلی سوکھی سی روٹی کو کسی نے انڈول میں گھلایا تھا مگر اس نے نوٹس نہیں لیا تھا آگے بڑھ گیا تھا۔ ”معلوم کر ہے یا کئی؟“ اس نے کشینو سے کہا یہ بھی تو نہیں تھی، نظم کے پریسیر پر آئی ہوئی۔“

خو کے عجیب ڈپر ہوئی روٹی ایک کونے میں بھی ڈری نظر آئی تو وہ مچل پڑا۔ ”وہ... وہ... وہ دیکھ، وہی ہے نا؟“ اس نے کشینو کی پسلی میں کبھی ماری۔ ”دیکھ رہے؟“ وہ چھاتی سہلانے لگا۔

”وہ... وہ... وہ مڑنا سیٹھ سے نا؟“

”یہاں تو پرستیر آدمی مڑنا سیٹھ ہے بس!“

”اے... وہ شکرش کے پاس کچھ دیکھ رہی ہے۔ وہ...“ اسے

”وہ تو باہر جا رہی ہے؟“

”اے ہاؤس جھپکلی جیسی۔ ایک دم سوکھی...“ کشینو

”جانتے لگا۔“

”ایک بار نہیں لگی صرف جھانک کر لوٹ آئی۔ بہرہ کی جیسی ترسی ہوئی نظروں سے کسی کو بھیج میں تو نہ دے رہی تھی۔ باہمی رنگ کی سبز کوری سازی، بڑی بڑی یاد دہیں وہ کچھ شکلی ہوئی اور عیاری لگ رہی تھی جیسے ابھی برتان سے آئے ہو۔ وہ جیسے ڈھونڈ رہی تھی وہ اب تک نہیں جانتا تھا۔ کسی کی آنکھیں مڑ پڑتی تھیں۔ کوئی نہ کھڑے کے دھرم دیو کی آنکھوں سے بڑھیں پھر جھپک گئیں اور وہ مڑ موڑ سے مڑھ گئے۔ دھرم کے کی طرف ٹھٹھک گئی۔“

”ہاں دھرم سے سب کا قاتل کر رہا ہے۔“

”یہ زرنیہ جمال...“ زرنیہ جمال اپنے جیسی میں مل سیٹھ دیکھ رہی تھی۔ ”آپ کا ڈانس بہت اچھا تھا۔“

”ہی۔“ اس نے بچوں کی طرح دانت نکوس دیئے۔

”دانت بھرا ہیں؟“ دھرم دیو نے اپنے موتی جیسے دانتوں پر زبانی چھیر کر سچا دھرم کو بندھی آتی ہے؟“ دھرم نے پوچھا۔

”وہی نہیں؟“

”وہ مگر بندھی بولی جو رہی ہیں۔“

”وہی تو رائے ہے؟“

”دادہ؟“ دھرم دیو اس کی سبک ناک اور ہنٹوں کی بے ساختہ بات پر

نظریں جھانک رہا تھا۔ ”وہ ایک ہی بات ہے؟“

”وہی میری والدہ ہیں۔“

”وہ آداب عرض؟“ دھرم دیو نے کھنڈی سلام بھانجا۔

”نستے؟“ مان نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔

”وہ آپ بستی کی نظروں میں کام کر رہی گی؟“

”دیکھیں؟“ زرنیہ نے انھوں کی طرح کہا۔

”اور دھرم دیو کچھ لا جواب ہو کر بے ساختہ نہیں پڑا۔ دوسرے ماحول نے

اس کی بہتر اپنی طرف متوجہ کر لی اور وہ ان کی طرف مڑ گیا۔“

”اے آج کیا ہو گیا ہے بوس کر؟“ کشینو نے آپ کھول رہا تھا۔

”دھرم دیو نے دھرم دیو سے بڑھ کر کچھ کہنے ہی زرنیہ جمال کی ماں کے پاس پیٹا

بھیجا۔ فی الحال بایں سو دھرم دیو نے غلبہ نہ لے کر ہاتھ نہ لگا۔ دھرم دیو کو دھرم دیو سے اپنے سال کا تفریٹ، بڑھاپا زنت باہر کام نہیں کرے گی۔ اور اگر کرے گی تو سناؤ

کا پیچاسنی صدی کئی کو دینا ہوگا۔“

”وہ بایں سو؟“ زرنیہ جمال نے لالی آنکھیں موندیں اور کھنڈی نہیں پڑی۔

”خام کو نہ کھاؤ کھٹ ہوگی۔ ماں بیکاریاں خاک نہ بھیں۔“

”وہ آپ ہونا سب بھیں؟“ مان نے ردی ہوئی آواز میں کہا یہ من باب کی

بجی ہے۔ ”یہی صاحب تیار کرے کہ پڑھو سناؤ؟“ دوست میں بایں ہی سمجھنے ہیں۔“

”وہ ایک بایں ہوئی رہی۔ زرنیہ لکلی ہوئی کبھی پھٹ پر لگے ناؤں کو گھٹنے لگتی۔ جسے

تالین کے پھیل گئے لگتی۔“

داعی اسی طویل دن رات اس کے گرو منڈلاتی رہتی ہیں، مگر کوئی جی تو نہیں سمجھتا۔
جیسے منگلانے اس کے دل میں گھس کے اندر سے دروازے بند کیے جوں اور
اوپر سے گندھی چڑھا دی ہو

اور وہ افسس سر یتان زدہ لڑکی بار بار کیوں کانٹے کی طرح دماغ میں جھپتی
ہے۔ شاید اس کا شائبہ اس بار غلط بیٹھا۔ اس نے غلط معاہدہ کر لیا ہے۔ بعضی
اس کے تعبیر کا مکمل انسان اپنی حماقت پر کھتا رہا ہے۔
گڑا لیا کیا اندھیرے سے غلط معاہدہ کوئی ایسی ناممکن بات تو
نہیں۔

زرینہ جمال اپنی ماں کے ساتھ وعدے سے کچھ پیچھے ہی آگئی۔ وہ رحم تو بھول
بھی چکا تھا کہ وہ لوگ کب آنے والے ہیں۔ منگلا کو تار خلا اس نے بہت جا چا کر
دھم کو اطلاع دے کر وہ کلکتہ بلیر پر گیا برا تھا۔ ماں بیٹی کو کچھ کر کے بڑبڑ
ایا۔ جو اس باختم باپتی کا بیٹی بڑی بلی اور اچھا صورت اکیسڑی کے ہے۔

کچھ سے پہلے تم سب ہی لڑکی۔ اور کاکہ ایک دم دیو کی کتاب اور انہوں نے ناپا
سے آنا پڑا تھا۔ زرینہ نے تو بہت کہا۔ وہ زمین پر ہی سوجھتی ہے مگر اس نے ایک
پنگ اور دو لڑکا اور انا میل ونگل میں بھر کر چھان کر ڈال دیئے
عیر چہرہ کی لپ لپاں میں ٹپ ٹپ کی۔ بیٹے ہی شاف برادر کرمال کڑی کی۔
منگلانے اسے دیکھ کر سوچا۔ بات جیت سے معلوم ہوا اس کی کوئی راستہ نہیں ہے۔
سب کچھ کراتی ہے۔ سو کرنا پڑے گا۔ منگلانے اس میں کام کر چکا ہے۔ مگر ٹیکو بلیوں کا کیا۔
دوسری زبانوں کے علم کچھ تفصیل سے نہ لگتے ہیں۔

مگر یہ ان نہ کی بڑیوں سے بڑا درد بہتر رہے گی۔ وہ رحم اس کے جگر میں
غاک سمیٹے گا۔ اچھا ہے کوئی شخص نہیں ہے۔ وہ دن مستقل ہوا ہے تو دھڑکا جوتی ہر
دم لگا رہا ہے اس سے نہ غات سے کی۔ منگلانے دونوں کی بے انتہا خبر گیری
کی۔ لیکن اسے خراج پر ڈاکٹر بلوا اور نہ تو وہ لڑری میں بیچاراں۔ زرینہ تو مہر مہر
کرمان سے لئے جو کچھ پھیلا یا شوریہ کے گاڑی کھاسے لی۔ مگر منگلانے اسے زرینہ کی کھلائی
کر نہ تو بڑی چہرے۔ وہ رحم منگلانے کو مہر مہر اس سے محبت کرنا تھا جب تک

پر کوئی سنی کسی اپیل بڑھالاتی تو وہ فوراً اسے ایک آپ دم واپس بھرا کر کوڑا
کرکٹ نکھڑاتا۔

دیے سو سگی ماری سے بڑچال میں ایک عجب رچا رہے۔ گروں میں مورچہ بھی
اُٹھتا ہے۔ جیت میں دل نہیں کھینچیں۔ مکان کی طرح کھینچ رہی ہے۔ مانتا بڑا چھ
پر ہے۔ دھرم ہاں تو جسے کا قاتل نہیں۔ مگر غلام شاربے کے کوئی شمار نہیں۔ اگر
جوتے تو شاید خود منگلانے کو قاتل ہی ماری نہ لگتی۔

۶۷۸

وہ بڑی دیر تک اسے بنا کر نکھار کر رکھا۔ کھانسی کھانسی سے کھانسی
خود اپنے ہاتھ سے اس کے طرح طرح کے ماں باقی۔ پھر بڑے سیتے سے ہکا بکا
میک آپ کر کے دھیت کر کے تو اسے وہ تو کچھ سے کچھ نکل آئی۔ اپنی ساٹھی غلام و منگلانے
دراٹا کے لئے لگے۔

• چلو کچھ منگول سے سے کچھ نہ دلو۔ میں تیار ہو کے تمہیں پکاروں گی۔
وہ بحث پت تیار ہوئی۔ زرینہ جب چھپے آئی تو منگلانے ہڑا تھا۔ بال پٹا اور کچھ
سیلے سے ہڑا لاتی تھی۔

• کچھ سے ہے ہی رہیں، اور میک آپ کیوں دھو ڈالو؟ اس نے ٹوکا۔
• دھو ڈالو تھا۔ اور کچھ سے کیا کرے میں؟ اس نے ہنسنے میں سمجھائے۔
• تو بھی یہ آئی میں میری کھینچے اور تھیں مالا جوتی جلی آ رہی ہیں۔ منگلانے
اُداس ہو گیا۔ منگلانے کسم کی ہیرن اس کے نصیب میں نہیں۔ یہ تو کسمرا جی بن جانے
تو بہت ہے۔

• "انہوں نے کہا ہے پڑے بہت میں۔ دو تو لیاں لے آؤ؟" اس نے دسل
رو پے کا نوٹ نکال کر لیا۔

• تم پیسے کی فکر نہ کرو میں نے تمہارے پیسے میں سے ایڈوانس لے لیا ہے۔
• میرے پیسے؟ زرینہ جمال نے انہیں جھپکا دی۔
• تمہاری منگولہ عین کی سہل تاریخ سے شروع ہو گئی ہے۔
• مگر تو منگلانے کوئی جوت۔ پہلی تاریخ تو بہت دور ہے۔
• بڑا بہت کرتی ہو رہیں اس سے کیا۔ میں جو کہتی ہوں۔ چلو۔
منگلانے ڈانٹا۔

”جانتی ہو پھر کرم کسی فلم میں کام نہیں کر سکو گی۔ کہ انہی فلمی میں تو نہیں کر سکو گی“

”جانتی ہوں۔“

”مگر یہ ڈریس نہیں پہنو گی“

”نہیں۔“

”تیر نہیں اگر کوئی اور بتاتا تو دھرم دیو نے اُسے لات مار کر نکال باہر کر ہوتا۔ اُسے اپنے محل پر تعجب ہو رہا تھا۔“

”بتاؤ گی، مگر کیوں نہیں پہنتی گی؟“

”یہ..... یہ بہت مشکل ہے اور ڈریس میں کتنا ہے اس کے ساتھ دوشیزا نہیں اور نہ عا ہے۔ اس کے آئینہ بنے تھے۔ میں نے تو نہ تھا دھرم جی کی فلمیں ان باتوں سے پاک ہوتی ہیں، اس نے ڈریس آشکار دکھایا بدگفتی روٹی بھڑکی ہے۔“

”ہاں، وہ کیسی نرہ گیا بدھا دوشیزا تو ماکا چلے گا، اس نے انسانیت سے پوچھا۔“

”جی ہاں..... اور..... روٹی؟“

”وہ بھی بھل جائے گی۔“

”نرہ نہ جمال نے دانت نکوس دیئے اور میک آپ درست کرنے لگی۔ دھرم دیو نے شوٹنگ اپنے اسٹیفٹ پر چھوڑ دی اور خود نرہ کے ساتھ پیڈر روڈ والے ٹیلیٹ میں نئی کہانی پر کام کرنے چلا گیا۔“

۳

نرہ نہ جمال کے دقے نے فلم انڈسٹری میں دھرم بھادی۔ دھرم دیو کے سب سے عزیز بڑے، سسٹنٹ پروڈیو نے کچھ اس جاکبکستی سے فلما یا کہ وہی سوکھی ماری چھپا کر بیسی چھوڑ کر قیامت بن گئی۔ لوگ فوراً گھوڑے کے بڑھ دوڑے مگر دھرم دیو نے سب کو تال دیا سداہ فلم پروڈیو ڈیوٹ کر کے والا تھا۔ فوراً ہیٹ مچا گئی۔ اس میں رتیلے ساتھ ایک لڑکے اتل کو سامنے کیا تھا، مگر رتیلے پاس اتنی ڈھیر ساری فلمیں ہوئی تھیں کہ وہ مال ٹول کر بیٹھی تھی۔ دیکھے بھی رتا ان دونوں لوگھال سہی پھر ہی تھی۔ ورنہ جی نے اس کا نا حقہ نہ کر رکھا تھا۔ خاندان کے آنے کے بعد پرانا رشتہ دم توڑ چکا تھا، مگر انہیں اس کی صورت دیکھے بغیر نہیں نہڑتا۔ ان کی اپنی فلم جس میں رتیلے کے ساتھ انہوں نے رتی کو میر دیا تھا کشانی میں پڑھی تھی۔ اور پروڈیوسر اُسے وقت چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ ورنہ جی رتیلے کو تالو میں کہنے کے لئے اس کا رول بڑھانے کے لئے برس برس پر وقت کیرہ رتیلے پر منڈلاتے جا جا رہا ہے۔ رتی بچارہ کھڑے دن تو کھر مگر دیکھتا رہا۔ بھول لوگوں نے اُسے اور پڑھ سمجھا ہی اور وہ سمجھ کر۔ اب ہوا یہ ورنہ جی تو رتیلے کا رول بڑھاتے اور رتیلے کا رول بڑھانے پر نہ ہوتی۔ یہ وہی رتیلے تھی جو کبھی ایک گاڑی آپ کا ڈبل معاوضہ چلی اور کرنے پر مقرر کیا کرتی تھی، اب رتی کے کلوز آپ کے لئے مندر کیے گئے۔ ورنہ جی تھک چکے تھے اور وہ ہوا اچھا تھا۔ رتیلے سے ساں دوسرا چھوٹا ہو گا۔ بے انتہا طرز اور دلچسپ۔ جیسے تو رتیلے دھرم جی کے پاس بیٹھی۔ بلکہ قلمی شاف دیا اور کر دیکھوں کے پاس بیٹھی تھی۔

ہوئی دکھائی دی۔

”ناجی! ہمیں تو بٹھا چاہیے۔“

”ناہی، ہمیں تو بٹھا چاہیے۔“

”اچھا اب کے جیسا ہی، پھر سہرے میں ہی جانا ہی گئے“
 ”ناتے جاؤ بیٹا، اس نے رکھا ہی ہے کہا اور منہ پھیر لیا۔“
 ”دیکھ بے شکلا..... ڈارلنگ“

دعا پڑھیں وہیں دربر ہوئی ہے ویسے ہی، اس نے انہیں موند لیں۔
 وہ تنگ کچھ تنگ ہے، دل ہی دل میں سوچتا ہوا وہ منہ پر ہنستا۔ لوگ باگ بو
 کر اس کی موٹر پر فٹ پڑے اور پریس کو لاشی چارنگ کرنا پڑا بیٹھتی تھے اندیشہ
 کے لوگ اس کی آٹھنگ کا مذاق اڑاتے تھے، مگر شے کے بعد کن پول تنگ تھا۔
 ویسے تو کرن دیوان اور پردیپ لمارا آٹھنگ کے نام لٹھ نہیں جانتے، مگر تاریخی
 زہت نلوں کے پیروی۔

داسو دیوار درگلا کچھ کچھ سے نظر آ رہے تھے، دھرم کے فرشتوں کو
 میں وہ میں ماؤ نہ تھا۔ جوان دونوں کے دماغوں کو داغ چکا تھا، منہ دکھلا اور
 داسو میں جھکڑا ہوا ہے، اس کی کامیابی سے دونوں کے منہ آترے ہوئے
 ہیں۔ کھانا نے طعنہ دیا، مگر داسو کو ایک بھائی آنا اور دوسرا اس کے عذر پر ڈرا
 ہے۔ ان رشتہ داروں کو کھانا بھی ساتھ کھینٹو دیا ہی نہیں بیٹے۔ دھرم کو
 لے بھائی جیسا ہی لوگ اسی سے مرعوب رہتے ہیں۔

وہ بلیا مبارک ہو بھائی جی ہو کھانا نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ شاید بھل رہے
 ہیں دونوں کو اس کے ہاں پھر جیسا تھا ہے۔ داسو کی پہلے مٹی کی لڑکی ہوئی، دھرم کو
 کی طبیعت کدھر ہو گئی۔ اتنے میں زرعیہ جمال اپنی ماں کے ساتھ دکھائی پڑی۔ وہ
 ایک دم چڑھ گیا۔ کیا نام تمام بن کے آئی ہے۔ اس لڑکی کو کبھی کسی کی ہوا لگ
 گئی۔ باری ساڑھی اور دبرے لپ شیک ایک دانش کیا دے دیا کہ پوری بیرون
 بن چکیں۔ جی جابا ابھی جا کر بپ تنگ و بچہ دے۔

وہ آج کبھی کبھی جلتے رہتے ہوئے ہیں، اس نے کبھی عطا طر ہو کر سوچا۔
 اتنے میں ہال تالیوں سے گونج آ تھا۔ ساری کوفت دور ہو گئی۔ ان تالیوں میں تو
 ایک فن کار کی جان ہوتی ہے۔ ان تالیوں کے عدم اور درجہ دے دے مڑا اور
 جیتا ہے۔ ان تالیوں سے تو بہن رہتا ہے۔ تجزیاں بھرتی ہیں شاید یہ تالیاں
 کیشو کے کراہ کے ہاتھ بجا رہے ہیں۔ اور اگر دیتا لیاں نہیں جیتیں تو پردیو سر کے

بارہ بیج جاتے ہیں۔

ریتا اپنے جیسے جی کے ساتھ تھی۔ اس نے دھرم دیو کو کئی بار لکھیوں
 سے دیکھا۔ سمجھتی تھی، ابھی ہم نہیں بھٹا۔ فلان میں کوئی راز ایسا نہیں جو پشت از
 باہر نہیں ہوتا۔ اور اخباروں میں اس کے بڑے نہیں اڑائے جاتے۔ بڑے
 اڑیں گے تب دھرم اس کے بڑے اڑائے گا۔ یکسں محبوب کتنا ظالم اور خستہ
 ہوتا ہے۔ کھٹے بھوکا کس دم لیتا ہے۔

جیسے وہ درما کی کو.....

پریس کے بعد وہ باہر نکلا تو دیکھا زرعیہ جمال اور اس کی ماں ایک طرف
 کھڑی تھیں کسی نے اُسے پہچانا نہ کیا۔ ایک دن پہچان جائیں گے تو
 دیکھ کر باؤں کے کتوں کی طرح زبانیں لٹکائے اس پر چلے کر دیں گے۔
 اس نے کیشو سے کہا انھیں ایشی دیں ان کے گھر چھوڑ دینا۔

تھے۔ اس کے آؤگراٹ لے رہے تھے۔ اس کے ساتھ تصویریں کھینچا رہے تھے۔ اسے کوئی نہیں پہچان رہا تھا۔ وہ بجا بھلا شراب کے نشے میں دھند ہو رہا تھا۔

ہوٹل میں رہتی تھی شراب پی کر اسٹیکو اینڈین روکیوں کے ساتھ ٹریٹ کرنا شروع کر دیا۔ اس پر ریتا کا موڈ بالکل آف ہو گیا۔ وہ دکھاوے کے لئے الگ کمرے میں بیٹھ رہتا تھا۔ ٹریٹ کے کمرے سے باہر اس کا کمرہ تھا۔ پیپر پر جانے کے پہلے اس اور بھی نو تو میں بیٹھتی تھی۔ دھرم نے سچ بچاؤ کرنا چاہا تو اسے بھی دو چار سناویں۔ بھرپور فوراً معافی مانگی اور پیپر پر سنے لگا۔ خیر دونوں ٹھہرے اور آئندہ فلمیں کام کرنے کے دعوے کرتے۔ مگر سب نشے میں ہو کر پیپر پر دونوں الجھنے لگے اور ترقی موٹر سے آکر چل دیا۔ ریتا کو کسی غصہ آگیا اور وہ چلا چلا کر اسے ماں بہن کی کامیاں دیتے لگی۔

انٹرویو میں پھر نہ جانے کدھر سے آئے بیٹھا۔ اور بھی بچے ہوئے تھا۔ اس کی سیٹ پر کوئی ریتا کے واقعہ آن کر ڈٹ گئے تھے۔ ریتا بے وقوف ہو کر مڑ گیا۔ ریتا جان بیٹھتی تھی۔ اس نے بھی خوب دھرم دیوے جٹ کر اٹھلائی ہوئی تصویریں کھینچوائیں۔ ریتا نے وال ٹھہرے تو ریتا بھی کدھر کھٹک گیا۔ رات کو ریتا سے وہ سبھی ریتا دھرم کے کمرے میں آکر جٹ جاب بھٹ گئی۔ اس نے بہت سی ٹوک کال مانگ کر کھینچی۔ چلتے وقت منگلا جٹ جٹ پیس تھی۔ کیا کچھ مڑ کر نہیں ڈاکٹر اس سے پھا رہے ہوں۔

ایک دم ریتا بیٹھ بیٹھ کر رونے لگی۔

”اے۔۔۔۔۔ کیا خواہ“

”ہائے دھرم جی۔۔۔۔۔“ وہ اس کے شانے سے لٹ کر سسکیاں لیے لگی۔

”جی۔۔۔۔۔ اس نے مجھے پریشان کر دیا۔ ہو گئی مارو مکت کو۔ اس نے کھایا۔“

”گوئی مارنے سے کام نہیں چلے گا۔۔۔۔۔ آئی ام ریگنٹ“

”یو۔۔۔۔۔ ریتا رٹ دھرم دیو بھل پڑا۔ وہ وہ۔۔۔۔۔ کوئی“

دھرم نے آنکھ رو دیکھ کر دوائے ہوئے پیگ بنا تے۔

منج اس کی آنکھ کی تول دھک سے رہ گیا۔ اس نے سارے نوٹس ایک منگلا سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور منج بچکے تھے، اب آدھ کھٹے میں شرمندہ سے نارنگ برکشن کر کے یا اخباروں کے ڈبیریں لٹو کرے رو پڑے۔ جب کچھ کچھ میں نہ آیا تو وقت بچانے کے لئے اس نے ایک باکس میں انڈیکس شروع کیا تھا، اور دوسرے میں اخباروں کو پڑھ کر لکھ کر بھیجے اسے اپنی حاکمیت پر غور کیا۔ وہ اپنی جوی بیکے سے ہٹے جا رہے، اس کی جوی، بیعت بہتر اور اس کا پیارا بچہ۔

منگلا جانتی ہے وہ کس قدر تھکا ہوا ہے۔

ہسپتال میں مبارک باد دینے والوں کا بھی جھٹکا تھا۔ زندگی ایک مستحق

مبارکبادین کو اس پر سے بھاد ہو رہی تھی۔

لوٹتے وقت اس نے بیٹے کا سیٹ منگلا کے لئے نانو بھائی جوہر

کے ہاں سے لیا کر شام کو لے گا۔ کلکتہ میں پیر جانے سے پہلے وہ منگلا کے پاس لگا تو بار کھڑی بھول آیا تھا۔ منگلا سے ڈر کر نہ کیا۔

ریتا بھی کلکتہ جا رہی تھی۔ ریتا سے اس کا ریتا کے خوب جھگڑا ہوا

تھا۔ ساری رات جنگ بڑا رہی۔ دھرم جی کی حرکت پر اس سے بھرپور کرنے

کے بجائے وہ کڑے مزے کھینچ رہا تھا۔ ہاتھ پر توڑ کر اسے کلکتہ میں لے کر

گیا۔ وہ کھسیانہ دیوے ہی ہو رہا تھا۔ لوگ ریتا کو دیکھ کر دوائے ہوئے جا رہے

دہرایا اور ایک سانس میں مجلس خالی کر دیا۔

دو شٹ آپ رہتا ہے؟

دو شٹ آپ حرام زائدے..... کہنے پر تباہ چکاڑی۔

دو رقم کس سے باتیں کر رہے ہو منگلا نے پوچھا۔ کون ہے منگلا سے
کمرے میں؟

دو رہتا ہے؟

دو رہتا..... ہتھارے کمرے میں..... کیا کر رہی ہے؟

دو در رہی ہے؟ دھرم دوہرے شیتے ہوئے کہا۔

دو ہاں..... میں..... مشہور فلم ساز رہتا ہوں..... نصیب کو

دو در رہی ہوں؟ تیار پر خوب چرچا ہوئی تھی۔ وہ سیر پر تھک کر کچن میں چھلپ
اچھا..... میں ماں بیٹے والی ہوں؟ اس نے سیر پر چھپنے کی کوشش کی۔

دو ہر..... بلو..... مشکلا..... بلو؟ مگر لائن کٹ چکی تھی۔ اس

نے رتنا کو دوسرے ریموڈر سے کال بک کرنے لگا۔ دھرم دوہرے کلام تھکنے لگا۔

مشکلا کی خفگی کے خیال سے ہی اس کے دماغ کھڑے ہوتے تھے۔ جی دیا

ریتا کو آٹھا کر کھڑکی سے باہر تھک دے۔ خواہ مخواہ کو دھرم دوہرے ہونے لگا۔

دھرم دوہرے طرح دودھ خشک ہوئی تو بڑی مصیبت ہوئی۔ مگر ایسی بات ہی کیا ہے۔

مشکلا ایسی تو نہیں کہ اس پر کوئی ایسا دباؤ کر سکیں۔

دو تھوڑی دیر سر پر کپڑے مچھا رہا۔ صبح نو بجے ایڈیٹر پہنچا تھا۔ جی چاہا

تھا۔ بجائے دھلی جانے کے سدھانہیں جی بل دے، مگر پروگرام لوٹ پوٹ ہونے

کا ڈھنچا۔ جیسے دور کے ریسپنشن کی تیاریاں ہوں گی۔

دو چلو رہتا اپنے کمرے میں؟

مگر تیار آؤ تھی۔

دو آتھو منی رمی آگیا ہوا؟

دو نہیں وہ نہیں آئے گا..... کبھی نہیں آئے گا۔ وہ چار لوگوں کے

ساتھ گیا ہے؟ اس نے چار انگلیاں پھیلا دیں اور گندی گندی نصیحتیں بیان

کرنے لگی۔

دو رقم کیوں مرے جارہے ہو، تنہا رمی فلم تووری ہوگی؟ رتنا نے طعنیہ

دوسری جو سمیٹ پر جاری ہے؟ دھرم دوہرے جھوٹ بولا۔ اس کا ارادہ

قطع تھا کہ ساتھ فلم بنائے گا نہیں تھا۔ مگر اسے رتی رتی طور پر پڑا ہے۔

دو اتنا متفق نہیں جو ان لمحوں میں آجائے۔ آج ملاپ کل لڑائی۔ کچر کا ڈر بڑا ٹول

دو دوسری کو ڈراؤ چاہتے ہیں۔ یہاں جان پر مبنی ہے اور تمہیں کچر کی کیڑی ہے

مجھے کسی کو دلچسپی نہیں۔ میں مچاؤں، ٹھاک میں مل جاؤں بس بٹ نفی میں رہیں؟

دو ڈرہ ان کا چٹکا گیا کہاں؟

دو کی سوجا کہیں اپنی آنکھ بنائے ساتھ؟ اچھے گھڑنے کی لڑکی ایسے منے

سے باز رکھنا۔ ایک دینی حق کو لوگ تنہا رہ جاتے تھے۔

دو لوگوں کی مل سو جو مری مصیبت کا؟

اتنے میں ہم سے کال مل گئی۔

دو جو..... کیسی جھنگل..... اس کا جل چاہ رہا تھا تباہی مچتی غارت

ہو تو وہ مشکلا سے کوئی بہت پائری سی بات کہے۔ اس نے سیر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

دو پلیز رہتا؟

دو تنہا رمی ملے میں جاے مچاؤں؟

دو کب آ رہے ہو؟ مشکلا نے چھوٹے ہی پوچھا۔

دو تم کی ہونا، میں تم..... بہتاری پہنچتی ہوں..... بچتے..... رہتا

نے لمبی سی آہ بھری.....

دو صبح کے پین سے دھلی..... پھر..... انو رہتا پلیز.....

بلو.....

دو دھلی نہ جاؤ گے تو کیا دوبارہ نکل جائے گا؟ مشکلا نے کہا۔

دو سلیپنگ بک ہو گئی ہیں۔ وہاں انتظار ہو رہا ہو۔ پر میرے آفر.....

دو بس پر میر..... بہت شوق..... ایک ٹھیک..... اسی میں زندگی

سیت جائے گی۔ چھپیں شادی کی کیا ضرورت تھی.....

انو ممر کے تو یہ لڑکیاں شادی کرتی ہیں پھر آئے طے نہی ہیں۔

دو مچاؤں..... میں ماں بیٹے والی ہوں؟ رتنا نے پنی کسی پڑائی لکھ رہی تھی

جن سے بخت تیا اپنا سر بھید ہی ہے۔
جب لوگ تیرے بیدلاق ادا کرے گئے تو حرم کی نظر چاہنی پر گئے بڑے
رسوید پر گئی۔ لاں اسی تک کئی نہیں تھی۔
دودلو۔۔۔۔۔ طر مشکو۔۔۔۔۔ وہ مانیا

پہن میں جب اس کی ماں نے دیکھا کہ اسے اکیلے کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی بٹھا دیا کرتی تھی تو وہ اس کی طرح زبردستی پھینک دیا اور بے گناہ تھا۔ صبح جب وہ اور رات جا رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ ایک سبکی سی لادوئج میں مٹی ہے۔ رات اسے تاریکی کی پھاکیاں چھیل چھیل کر کھل رہا تھا اور وہ تنہا رات گزر رہی تھی۔

دو مشکل اسپتال سے تو اچھی نا کیسی ہے؟
 مر اچھی میں۔ دن چلو۔ اس نے ڈرامور سے کہا۔
 مدد کے کامات سے؟ دھرم دیو کھل گیا، ہنسنے لگا۔
 یہ نہیں... چلو تو دفتر

دوبارہ لیا۔ جب کہیں رند صبر ہو مل کا میزاؤ رخسار و حر کا شہین داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا ریتلا و حر دم ایک دوسرے میں آگے ہوئے نمازیانِ گلہائے حق نے سب نے ریتلا و حر دم دیوے طریوں پہ بیٹھے چلنے دیکھا ہی تھا۔ رتی سے بھی اس کے جھگوڑے کی بات سب بریں ہو چکی تھی۔ سوائے خلیفہ کے کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ حر دم کی حیثیت اس ڈرائے میں دیوہو اور سے زیادہ نہیں

”ہاں خیریت ہی ہے“
”دیکھو!“

”اب میں کہتا ہوں اسی گھبراہٹ کی کیا بات ہے۔ مداس کے ڈسٹری بیوٹر کا بیج فون آیا تھا۔ میں نے انہیں روکنے کا نام دے دیا ہے۔ بس آتے ہی ہوں گے“
کیڑا جھرا دھڑکی ہانکنے لگا۔

”یہ کیا.... ہمت؟“ وہ منہ کر کے ناخن کاٹنے لگا۔ اس کے کیشور کی اس لمبا پاتی سے بڑی حرکتی۔

”کہاں گئی ہیں؟ اس نے دفتر میں پہنچ کرے تابی سے پوچھا۔
”وہاں کیے، اور کہاں جاؤ گی؟“
”مگر....“

”وہیں نے بہت کھجایا اگر وہ تو مجھے اب کاچھ بھرتی میں۔ واسوا اور کلانے انہیں سب بتا دیا۔ پھر اس روز ٹرک کال پر تو غضب ہی ہو گیا۔ ویدی کوئیٹ پڑ گیا غلام میں کھینسی کی پوتی ہے؟“

”دیکھا اور واسو نے کیا بتا دیا؟“
”اس دن.... جب دریا جیسے ریڈ سینکڑا تھا تو آپ اسے ساتھ لے آئے تھے۔ مگر میں انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔“
”اب؟“

”جی؟“
”مگر.... بڑا گدھا ہے یہ واسوا کا بچہ....“
”اب دیکھو زیادہ گڑبڑ مت کرو۔ خود ہی تو کہتے ہو کہ بزنس اور روٹیں کو گڑبڑ نہیں کرنا چاہیے۔“

”اے سائے کیا بلکہ رہا ہے۔ تو جانا ہے میز اور دیتا کا کوئی گھنڈا آج تک نہیں ہوا۔“

”میں تو جانا ہوں بابا۔ میری تھراپی جوی تو نہیں ہوں۔ وہ تو عورت تہا ہے اور جیوشن ایسی گڑبڑ گئی ہے کہ پتہ پانی جو مٹا کے لاؤت دیتے دیتے؟“
”میں کوئی ثبوت و بولت نہیں دوں گا۔“

”مگر ویدی کا میں روکش نہیں۔ واسوا دیکھانے انہیں کیوں بتایا کہ ریٹائرڈ پریڈی تھی؟“

”وہ کس میں کون سا غضب ہو گیا؟“
”ادارک.... اور....“ کیٹھو ذاتی سے سرکرایا دیکھانے اہم،
”آنکھوں سے دیکھا۔ جیڑی کون شستا ہے۔ مجھے تو ویدی نے باہر نکال دیا۔“
”تو رتا تھا دے گی؟“

”وہ تو اس نے ٹرک کال پر کلک سے ہی جتا دیا تھا۔“
”دیکھو یہ بولکی سوگند.... میں؟“

”میں جانا ہوں ہی، مگر بچے کو اس گند میں رکھیندو۔ بابو یہ فلم لائن ہے۔ یہاں سب جانتے ہیں۔ سب فلم لائن کے لئے سے ناپے جاتے ہیں۔ اتنے میں اسٹاف کے لوگ آگئے اور بات میں گھٹ گئی۔“

”وہ صدمہ دوسرے سال اپنا دیا ہر شخص کا منہ چھو لایا۔ یہ سب کلام دیکھی سارا کبڑہ روٹ گیا۔ اپنا سکا بھائی کتہا کر نکلا جا رہا ہے۔“

”منہ کھلی تھی بے انتہا فکری مزاج۔ کہیں بات اور کمر کی اور ہو جاتی تو جان کر آ جاتی۔ ایسے جاناوش چھوڑ رکھے تھے۔“

”وہ تم کو کہتے تھے۔ ایڈیٹنگ کرنا ہے پھر جوہر کیوں مل دیتے؟“
”اور سیر داسے ڈسٹری بیوٹر سے ملنا تھا؟“

”وہ بس ہٹوں ہی میں ملنا مڑا ہے۔ یہ کیونٹ وکٹر کی پھر کیا ضرورت ہے؟“
”ہاں وہ لائن چھوڑ گیاں جو نہیں ناچتیں جو نہی دھڑکے روا نہ ہوتا وہ اس کا بچھا لٹا

کر تھی۔ اس نے بچا کر نہیں بلکہ عکس فون کرتی۔ جب وہ واقعی کام میں مشغول مل جاتا تو چورسی رہ جاتی۔“

”دیکھو! قصہ ہے؟ بلکہ بگ فون کر رہی ہو۔ کیا کہتی ہو کسی دہلی کے ہاں میرا سن رہا ہوں؟“ وہ پڑ جانا۔

”اسے واہ، بھلہ واسے سہارا تھا۔ گھنڈہ میرے ڈیڈی ڈیڈی کی رٹ بھ کس ہے۔“ وہ فوراً بچوں کی آڑ میں دھک جاتی۔ ”وہ مچھل جاتا۔ کسی بلیدی ہی تھی اسے بچوں کو بھاری کر کے کسے ہی جیسی نہ ملتی تھی کئی کئی دن تو صورت بھی دیکھنے کو

”کہتی تو ہے“

”پر مٹی بچھو دیتے ہوگا“ منگلا کھلکھلا کر نہیں پڑی۔

گھونچ کر سب سے پہلا عام دھرم دینے پر کیا کریشور اور دھرم کو طلب کیا اور تینوں ریتا کے سر پر جانسوار ہوئے۔

”مداشی ہوگی اور آج رات ہی ہوگی“ اس نے الٹی منٹیم دیا وہ رند لاشیں پڑا رہی تھی۔

”دوسرے واہ گیا کھانا کھا گئے ہو، کوئی گڑ یا کوڑے کا بیاہ ہے جو آج ہی ہو جائے۔“ انتقام کرنا ہے، کوئی مذاق ہے۔

مخل تک ریتا شادی کے لئے بللا رہی تھی آج غم سے ہونے لگے کیشور اور رند صیر نے منگلا کو تجھایا کر یہ دکھاوے کی شادی ہے، اصل دہلیس مچھلی۔

کیا دھرم دھما سے شادی ہوئی، نہایت فائدہ رشتی رشتے پیچھے، دہلیس سب خوف تک وغیرہ چٹک کر باؤں میٹھ گئی ساری اندھسٹری کی بیوی بیٹیاں مع مہریش۔ آج بھلا، ہندی رچی، منگلا ققموں اور رنگین مہندیوں سے منگلا آٹھا۔

پھاٹک پر نوٹ بچ رہی تھی، لیکن منڈپ زونار ڈیوں اور رشتوں سے لڑا ہوا تھا، پھیرے پڑے، دوسری پروڈیوسر ڈانکر اور ڈانٹ جو رات میں آئے تھے

ڈہن والے بھی تھے، ڈوٹھا پیڈوں سے لہجہ اچھا گھڑے پر ہمارا کرنا بیڈا جے کے ساتھ ملازمت کے لڑکھا سید بابا سے خاص طور پر نظام کے توشہ فائدے سے

بھلا بھل کر تکی پیش منگوا لی گئی تھی۔

جب دھرم دلوئے کینا دیا کہ تو منگلا کے آٹھو چٹک بڑے، شادی ہی بھرا کا ہوگا، مگر بیس لوگوں کا بیٹیں تھا کہ اپنی زندگی کی راہ سے غلطہ مل جاتے

کی خوشی میں آٹھو چٹک آتے۔ ”بھلاستی کے وقت جب“ کا ہے کو باسی دیر“ غلامان کی بہترین آوازوں سے اٹھایا تو دھرم کی جنہیں نکل گئیں اور کوئی آٹھو

ابھی تک مدھی جو چٹک نہ آٹھی ہو۔ ریتا اپنے پرانے سے ایسے گھلے بل کر دھڑکی جیسے وہ ذاتی ہزاروں کوں بیاہ کر رہی ہو سب نے اُسے تحفوں

سے لا کر رخصت کیا۔ ان میں ڈوسٹری میوٹر اور پروڈیوسر بھی تھے، میک اپ

نہ ملتی۔ صبح وہ اٹھتا تو بیٹے ہوا غری کو چلے جاتے۔ رات کو داپس ٹوٹا تو سوتے ہوئے۔ اُسے کتنا ارمان تھا اپنے بیٹے کو دودھ پلانے کا اُسے اپنے ساتھ لٹانے کا۔ واسو چھوٹا تھا اور دھرم اور وہ ساتھ سویا کرتے تھے، کبھی وہ مندر کرنے لگتا۔

”بلو کو میرے پاس لانا“

”ابھی سویا ہے جاگ گیا تو رونے لگے گا“ منگلا مال دیتی، وہ خود اس

کی بیوی کی بولی تھی۔

”کچھ دن یہاں رہ لے گی تو کیا اندھیر ہو جائے گا“ منگلا کی اماں بولیں۔

”آپ ہی دہلیس“

”میں کہاں سا لکھو بار چھوڑ کے جاؤں“

”تو دہلیس تو گھر رہا ہے“ اُسے دھند بار گھر کے خیال سے وحشت چنے

لگی، ”دوسرے جانا ہے نا“

”دو کہاں جانا ہے“

”دو کل رہیں ہے۔ ریتا اور رتی کی شادی کا،“ اس نے گپ ماری منگلا

کاں لگا کے سننے لگی۔

”شادی ہوگئی، کب؟ کہاں؟“

”شادی تو دہلیس میں چپ چپا تے ہوگئی“ وہ دلیری سے جواب دینا لگی۔

گھر جاتے وقت وہ مڑ رہی ہی جرت کرے لگی۔

”رات لگے اس دن تمہارے کہے میں کیا کر رہی تھی“

”میرے کندھے پر آنسو بہانے آئی تھی، رتی سے چٹکرا ہو گیا تھا“

”بھیرے..... کیسے راضی تھا؟“

”تو نے مجھے بہت ستایا سوچتی تھی“ دھرم نے منگلا کو گھٹیت کر کمر کے

ہونٹ چوم لئے۔ ”وہی چاہتا ہے تیرا منہ توڑ دوں“

”وہ ہونٹوں“ منگلا نے ذرا تر کی طرٹ اشارہ کیا

”آخیر چاہیں ہی لا ریتا نے اُسے“ اور دھرم۔ ”یہ وہ دل مٹینے لگا کر اگر بھڑ

کھل گیا تو؟“

”پریت سے ہے ریتا؟“

ہیں اور ڈریں انچازت بھی تھے۔ وہ مہنوں نے اس سے لاکھوں بناتے تھے اور وہ بھی جنہوں نے برسے دنوں میں اس کی ناک بھی رگڑی تھی۔ آج سب بڑا تھی۔ رات گشت کر کے واپس لوٹ آئی کہ اب یہ سنگھری ڈو لھا کا تھا۔ مہنوں کو لھا کے لئے ایک کمرہ دی گئی بایوں نے سجا کر تیار کر رکھا تھا۔ میر جگر آرٹ ڈائریکٹر نے اس میں دھرم دیر کے اسٹوریس سے لاکر لپٹنے کے قہقہے سنا جا بک دستہ کے سب جلتے تھے کہ رستہ کے کسی عجیب و غریب مکان میں جوتا تھا۔

جب ان کیان قہقہے مار رہی تھی تو لپٹیں اور کر کے بند کر کے چھٹی پر جا دی تو وہ رینا کو دیکھ کر ہنسا بھاڑہ گیا۔ وہ شرابی لپٹائی گھڑی جی سہری پر بیٹھی تھی۔ ایسی رینا کو تو اس نے خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ تو اس کے عقوں کو وصول کرنے کا عادی تھا۔

ڈرتے ڈرتے اس نے گھونٹ اٹھایا۔ رینا ہندی لگے ہاتھوں سے منہ چھپا کر اور جھک گئی۔ بڑی مشکل سے اس نے ہاتھ ہٹائے تو رمانی ٹرسکی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اس کے معصوم چہرے پر کس جانا کتنا اپنا متلا کر رہی کو پھر بری لگتی۔

منگلا، بچوں کے بعد بھی کئی سیر دنوں سے زیادہ چپک دار اور نارناز رہی۔ اس کی آواز کا جادو ملک بھر میں پھیل چکا تھا، مگر اسٹنگ سے وہ بہت تامل تھی۔ نہ جانے کس نے یہ عجیب و غریب پیش کی کہ بنگالی کہانی کے لئے اس سے بہتر لڑکی نہیں مل سکتی۔ اس کی باتناز قہقہے رول کو چار چاند لگا دے گی۔ منگلا نے صاف انکار کر دیا اور دھرم نے بھی مذہب نہ دیا۔

ڈرتے کی فلم کے سوا اور سیٹ پر کوئی فلم نہ تھی۔ اتنی چھوٹی سی فلم کے بل بوتے پر کیسے گاڑی ملے گی سب نے بہت کہا۔ مگر بالائی کو نے کوٹرا فلم شروع کر دی جائے، مگر نہ جانے دھرم کو کیا ہو گیا تھا۔ حال ہی میں کہانی کے سلسلے میں اتنی بنگالی اور مراٹھی فلمیں دھرم تھیں کہ کوئی چیز بھی نہیں رہی تھی۔ انھیں دنوں بیٹھی بیرونی فلموں کا ایک مبلہ ہوتا ہے۔ دھرم نے پچھلی اور اس کی شاہکار فلمیں دھرم اور اسٹوریس کے ساتھ ایک دم آتے ہیں اس جادو اب جو بھی فلم بنا چکا ہے، سرشل اور اسٹوریس فلموں کا کچھ ہے۔ کوئی فلم نہیں تھی کہ کسی مہذب ملک میں نہ ہوتا تھا۔ فلم ڈسٹری کی کامیابی نہ ہو سکتی تھی۔ اس نے بڑی تندہی سے ایک واقعہ بھی کہانی کی تلاش شروع کر دی۔

بڑی دلچسپ ہوئی ہے یہ کہانیوں کی تلاش! ہر جا پر طرف ہر کار سے چھپنے دینے ہاتھ ہیں۔ پھر وقت مقرر کیا جاتا ہے، کہانی لکھی جاتی ہے،

انکار کر دیا۔ اس کی رپورٹ بری نہیں تھی، مگر بالکل نئی ہیرن اور گناہ سے ہیرن ایل کی نظر سے کسی کو بہت زیادہ دیکھی ہی نہیں تھی۔

نظم دو دھرم جو رہنے کے لئے نہیں بنائی تھی، مگر خراج بہت طرستاجار یا تھا، کیونکہ دھرم اور شکار دونوں ہی اپنی بات کو سمجھانے پر تھے۔ ہیرن سے تیرہویں کی روایت کو دہرانے کا قصد تھا۔ گمانے بھی بے حد کلاسیکل رنگ میں تھے اور شکار نے ہی جان لگا کر لگائے تھے، مگر چلتے ہوئے وقتی کاروں کی طرح لوگ ان پر سر نہیں دھتے تھے۔ پھر ذرا چلتے گمانے لیکر آدھوٹ وہ اور بھی بچھ گئے۔ شادھوٹ کے نہ اصرار کے۔ اس اور حیرن میں دونوں ہی کچھ دھرم سے رہنے لگے۔ بات بات پر عجیبی طرحی نکالیں۔ اسٹائن کا دم سر کھینے لگائے۔ کبھی ہیرن سے کشک جاتی تھی تو ایک اب کے بعد بھارتیہ جانا تھا۔ یہاں تو دونوں موٹر میں درمختہ تھے جاتے تھے، مگر ہیرن ہی تسلیم نہیں لگتا۔

اسی موٹر میں ایک دن دھرم "ناز" کے بیٹ پر چلا گیا۔ وہاں زرہ ایک بڑا دارا دی سارھی اور لال ملاوڑ پینے مصنوعی زور میں سر سے پرتک دہری انیل کے ساتھ کوئی سپن کر رہی تھی۔ اس کے زور دیکھ کر لوگوں کی دیکھی ہی جان سوتھ جاتی تھی۔ زرہ تو دانت نکال کر سپن دی گرائیل کے سینے چھوٹ گئے۔ وہ اس سے کہو یہ یہودہ دیکر جا کر دے، اس نے تویدی کو جاکر کیا۔ دو گز گئی تھی، تویدی ہیوں سیٹ پر پہنچا۔ جانے سے ترس مہر گیا۔ وہ چلے ہیں ڈاکوئی نوئی، بہت یہودہ ہے دوسرے۔ اور لال باکل اتر

کا پٹھا لگ رہا ہے۔ یہ دو رنگ کی میٹ کون پہنایا؟

وہ مگر... یہ تویدی لپیڈ پر تھے لگاؤ دیکھتے سپن دی شوٹ کرناڑی گئے۔

دو تھارہ لاسے سپر ڈوئے گا، اسٹوڈیو میں ہیرن ہیرن ہی تھی۔ یہ نظم تو کیا

اس وقت سیٹ پر تھی جب دھرم دیو پر شکار بل نظم کا بہت نہیں سوار ہوا تھا۔

ایک اور ہائٹ فلم میں اودے اور لال میں کیا فرق پڑتا ہے۔ تویدی کا منہ بھول

گیا۔ دھرم ایک دم نرم ہو گیا۔

"اچھا بابا، یہاں تک سمجھو گے دوسرے تو...."

"وہ آپ ہی نے بنوایا تھا.... اب آپ کہتے ہیں۔"

"اچھا سپن دی،" وہ سیٹ چھوڑ کر دھرم میں جا بیٹھا۔ شکار سے زور کی بھیت ہو جاتی تھی۔

وہ ان اب قلم ہی دوسری ہیرنوں کی طرح دھرم کا منہ لگیں، اس نے بل

کر کھڑا دیا اور اسٹوڈیو چلا گیا۔

تویدی تو کسی وقت سیٹ چھوڑ کر جانے والا تھا، مگر سب نے سمجھا کر دھرم ہی

بہت پریشان ہیں۔ آج کل فلم میں ان کا کام آدھوٹ کے لوگوں کر رہا ہے۔ کوئی نہیں چاہتا

یہ نظم کھٹت میں رہ جائے۔

نظم ابھی بل تھی سب کی روزی اسی سے لگی ہوئی تھی، شکار اور دھرم کی فلم

"دینا" تویدی ہی نظر آ رہی تھی، نظم اور شکار ہی ہونے لگے تو شات کی نقل گم ہو گئے

لگتی ہے کہیں فائنل شات کی جھجکی کی نوت نہ آجائے۔

مگر دھرم نے خود ہی تویدی کو بلا کر اپنی فلمی مان لی۔ اسی وقت ایک ہفت

کوئی کر سیٹ پر کر کھڑے ڈاکو کی پیشی کے لئے تصویریں لے لیا۔ اور جب تویدی

نے ہدایت لاری کے پوز دے کر تصویریں اتھار لی تو اس کا فخر ٹھنڈا ہو گیا۔

چاندرو "دینا" کے پرائے سیٹ کی پھر سے شنگ ہو کر رہی۔ نتیجہ کچھ اطمینان

بخش نہ نکلا، اس سے تویدی شنگ ہی اچھی تھی، مگر نیا گناہور کا رو ہوا آسے

سن کر سارا اسٹوڈیو صدمہ اٹھا۔ یہ نہیں توئی گناہور اب تھا یا مصلحت ہی کچھ ایسی

تھی کہ تویدی "دینا" متنبہ لایا جائے۔

زبانے کیا رہا ہے؟ کیا یہ ایسی ہیسی ہوئی ہے کہ انسان باکل تنہا رہ جاتا

ہے، اس پاس اس کے فکر اور شادھوٹ رہ جاتے ہیں بغیر کسی تویدی نہا ہے۔

دو سترن کو بھٹانے کے لئے تویدی زنی اور زنی زنی اس کی اہلیت دیتی ہے، ساتھ

لام کرنے والے ہی دوست باؤں رہ جاتے ہیں کبھی تویدی بھی باقت بن کر

لگتے لگتے ہیں بغیر کسی مصلحت اڑے آجاتے ہیں۔ وہ اپنے کچھ پرائے دونوں

ہو اپنے ساتھ لایا کر شادیان کی محبت میں پھر ہی اہلی کے دھرت کے نیچے پائے ہوئے

دن و پسوٹ آجی گئے۔ دھرم کی ذاتی، وصول دھرم، لایوٹوں کے پوز سے اڑانا،

کار بہت بند لڑاؤ، آنا کا رشہ آڑے آگیا۔ اگر کبھی وہ دوست ہی بننے پر مصر

ہو تو سارے باقت شات کی نظر میں کھٹنے لگا۔ لگائی بھائی شرتی ہوئی اور اس

کا پتہ کٹ گیا کبھی تو دیدی سے کسی بے تکلف دوستی تھی۔ اس کے گھر کھانا کھانے
 بانا تو ہمیشہ پیٹ غراب کرتا تھا۔ اس کے کپڑے برسوں پہلے اور احسان آکر لے
 کے لئے اپنے ساتھ لے لیا۔ تو دیدی ہر شیا رتھا اور ایسی حرکت کبھی نہ کی اشیاء کو
 شکایت ہوتی۔ وہ مجھے پچھلے سب کے ساتھ ٹھکرانوں میں ہاں ملایا کرتا تھا۔ اور
 دھرم کے بارے میں اس نے بہت سے لطیف اکھاڑتے تھے۔
 وہ قدم دوڑوں کو ٹھیک کی ضرورت ہے، تھارے کی آٹھ دوڑوں کے لئے پٹ
 نہیں ناں جا رہا تھا۔ زمرہ نے دھرم کو کبھی اسے وہی کچھوڑا الفریغ ہے گی۔
 مگر سنگھ کی حکمت دیکھئے کہ میں وقت پر ایک جیرنی شخص کا گناہ کا وعدہ کر لیا۔
 وہ تم جیسوں میں چار دن میں آجاؤں گی؟

دھرم رفتنی ٹھک گیا تھا۔ دیکھے اس دن سیٹ پر تو دیدی کو ٹوکے کے بعد
 دھرم نے اپنی غلطی مان لی تھی، مگر کبھی تو دیدی یہیں جا رہا تھا کہ اسے طرہ میں
 یہ بات آجائے کہ دھرم ہلکی طرف سے ہاتھ دھو میا ہے۔ کہہ کر وہی کو دھل
 دو منقولات ناگوار کرتی ہے۔ اسٹوڈیو سے ہمیشہ بات تو زور و زبر کامیاب ملانی
 ہے۔ وہ دھرم کو کوٹا تھا جسے کھلے دل سے اس کی رائے مانا تھا۔ دھرم
 کی رائے ہمیشہ معتد ثابت ہوتی تھی۔ وہ دھرم ہی سے نہیں، زمرہ سے، کبھی نہ
 سے اور دوسرے اسٹوڈیو کی رائے سے بھی نا اہل تھا۔ ہم بھی جی تو
 نام اسی کا ہوا۔ کوئی رائے دینے والوں کو نہیں گئے گا۔

مینی ناں پہنچ کر وہ دو دن مسلسل سونے کا یہ کام بنائے رہا کبھی قہقہے
 سے شونگ کی طرف سے بھی نکل جاتا۔ تو دیدی اسے دیکھ کر جھٹکا کر کے نہیں کرتا۔
 وہ بوس پرین بائبل تابوں میں آکر باہر ہے۔ یہ تھا اسے لینے کا ہے۔ وہ
 مسکا تھا۔

”نہیں مینی تو یہی لو....“

”اچھا دیکھتے تو مونی غلطی کروں تو دنیا ایک جھاڑی“

”ایک مینی دہلیں گے“ دھرم ہنستا۔

شانت تیار تھا۔ آخری ہرل اور ٹیک۔ تو دیدی نے کچھا۔

”دیکھا نکلا؟“

”دیکھ کر کچھ میں نہیں آیا۔ ایک ری ہل اور نا دھرم کا دسیان نہ جانے کچھ
 تھا۔ دو کن سامین سے؟“
 ”دھرم ہرل پر جانا آتا ہے کسی کے چھینک کے آواز آتی ہے تو تو دیدی
 نے سین کا ناں کھول کر بتایا۔“

”اچھا اچھا... نہیں۔ ہاں ایک ری ہل ہوتا ہے۔“

”ہیرو آیا۔ چھینک کی آواز آئی۔ لو اس نے پیٹے ہی ہرل چھینک گیا۔“

”دھرم سے پھر سے۔ زمرہ۔ ہی نے ہرل کو بک کر دیا۔“

”آٹھ دوڑوں میں مل کر آیا اور آٹھ دوڑوں کی ٹوکری گڑبڑ ہوئی۔“

”دھرم کی ٹوکری ہے۔ دھرم نے۔ دھرم کے ناں میں کیا۔“

”نوں باغیچہ کر کے سہارا دینا چاہیہ۔ دھرم کی دھرم کی آواز ٹھٹھا
 نہایت کر چھینک کے قوت۔ دیکھئے ہرل کی مینی تھی۔ ہی چھینک ہی تھی۔“

”دھرم کو ہرل سے ہرل چھینکا ہے۔“

”دھرم کی... ہرل کی... چھینکا کر جواب دیتی ہے۔“

”دھرم کی ہی ہرل سے ہرل چھینکا ہے۔“

”دھرم کی ہی ہرل سے ہرل چھینکا ہے۔ زمرہ نے کچھ اس سے
 کہا کہ دھرم زور سے ہلے گا۔ اسات ساتھ میں ہنسنے گا۔ دھرم کی آنکھیں
 چلنے لگیں۔ زمرہ کا پہرہ کھل اٹھا۔ اس کے کھلے ہونے میں کی ایسی بے ساختہ

”وہ بھی دھرم کے منہ سے اشوت نہیک تھا۔ قہقہے نے بھاڑ دیا۔“

”دھرم کی تو دیدی... مینی شیک... پھر سے لو....“

”دھرم نے ہرل سے۔ زمرہ کی ٹوکری کا ٹھٹھا ہے۔“

”نہیں جی۔ زمرہ نے ہرل کو کہا۔“ دھرم تکلف کرنے لگا۔

”دھرم جی۔ چھینک مینی ہوتا ہے گی۔ دھرم نے لپٹا ہی پڑے گا۔ وہ الگ ہاتھ

ہاں ہرل کرکھ ہوئی۔“

”وہ... دھرم کی ناں مسکو وہ زمرہ کو بتانے لگا۔ یہ سلا متعلق تھا کہ

دھرم ذات خود اُسے وارث کر رہا تھا۔ عقیدت سے اس کی آنکھیں جھپک پڑیں۔
اور نہ کبھی رہ گئی۔

وہ سوچا کچھ رہی ہو۔ ہاں یوں ناک سہل کچھ چھپکے۔

زیرینے بے ساختہ چھپک ماری۔

وہ افرہ ایسے نہیں..... پہلے ناک! "گزرتی جھپکے جا رہی تھی۔

"وہ میں تو بڑی چھپک رہی ہوں۔ آپ سے آپ اب رہی ہے چھپک؟ وہ بھر
چھپکی۔

وہ ایں ہاں اچھا مدھی کرو۔ زیرین میں اکثر کے مڑ جاؤ گی۔ ایک ہال چائے؟
وہ اسے ملتی تم مٹھیا، تو یہی نے اہل سے کہا۔ وہ بڑی معترض نظر دین سے
کبھی تو یہی کو اور کبھی دھرم کو دیکھ رہا تھا۔

انتے میں ایک بادل کا ٹکڑا آگیا اور سب چائے پیئے گئے۔

چائے کے بعد پھر کام شروع ہوا۔

وہ زمرہ سیرین او۔ کے ہوا تھا؟

وہ ہاں..... یہ تو مجھ تو اسے ہاتھ کا نوٹ لکھا ہوا ہے۔ کیا بات ہے؟

وہ کچھ نہیں، کچھ رقم نہیں رہا ہے۔ خرے دار میں ہے۔ ذرا کچھ اور دونا چاہیئے

وہ ریڈی، یہ تو یہی کے دھرم سے کہا۔

وہ سنو، ایسا کرو تم دوسرا سیرین شروع کرو..... آج فلا سے

دیکھ لیں کل شوٹ کریں گے۔ کیوں؟

وہ بالکل بالکل؟ "تو یہی میں جانتے گا۔

یہ سین بڑا ڈیڑھا تھا۔ ہیرو شہنا جا رہا ہے۔ بازو سے ہر وقت اچانک نکل کر

کڑکھڑا جاتی ہے۔ پہلے ہی سیریل میں جب ہیرو ٹھکانی تو ہیرو کا توازن بگڑ گیا۔

دوسری دفعہ زیرین کی جین کی ٹیڑھی برت میں پھنس گئی۔ اودھہ اڑکھڑائی۔

اب کے جو زیرین آئی تو اس نے بے اختیار ہاتھ پھاڑ کر اسے ریز کر دیا۔ وہ

جو توڑوں کی طرح مڑنے لگی جتنی زیادہ ریمبل ہوئی اتنے ہی۔ نے اسے حواس گم

ہوتے گئے۔

"تو بڑی درست آو۔" تو یہی نے اسے ایک طرف لے جا کر کہا۔ سب

غریب ہیرو ریزس آرہا تھا۔ یہی تو نفع سے اس پر ترس کھانے اور نہ سننے کا۔ دو
چار غریبوں کو بڑے بھر چوٹی پر بڑھ جائے۔ پھر مرضی سے کچھ کیسے کسی کی مجال نہ
ہو گی جو کبھی کرے گی، اتنے وقت میں لوگ بڑے بے رحم ہوجاتے ہیں۔

انٹل ٹیم سٹیم سما ایک طرف بیٹھ گیا۔ سالہ دھرم دیو جب میٹ پر آجائے گا

ستیا ناس مارو سے گا۔ بڑا نازک وقت تھا۔ پڑنا ہیرو بچا پس ری ٹیک کرانے کوئی

اس کا کب بھاڑ سکتا ہے۔ دھرم دیو بڑا اسکل اینڈ ہے۔ چار پانچ ریلیں بن گئیں تو کیا ہوا

جی سی آجی تو بھیری گروں پر پھیر دے گا۔

دھرم نے انٹل کو خود ریمبرل کر کے تھام لیا۔

زیرین سمجھا گئی، آئی۔ کھانے کی ہمت نہ پڑی۔ ایک دم جھجک گئی۔

"اے۔" دھرم سکرایا۔

دوسری بار آئی تو ایک دم ٹکڑاٹھانے لگی۔ اس کے جوتوں میں برت

بھرتی تھی۔

تیسری بار بھی آئی۔ قریب آکر بال سٹ کی پھر ہولے سے ٹکرا

گئی۔ بے حد ناؤم جھپٹائی۔

وہ ایسے نہیں، کیا۔ پہلے رک گئیں پھر پھس سے ٹکرا گئیں۔ ایک

دم بے خیالی میں بھاگتی آؤ زور سے کھڑاؤ۔ کبھی

"بھئی" وہ بھیدو اس گئی۔

اب کے وہ تھا پھیں بھرتی تیک طرح آئی اور دھرم سے دھرم دیو کی

پھاتی پر گولی کی طرح لگی۔ دھرم اس تھوڑے سے قطعی تیار نہ تھا۔ دونوں

اودھک کر گرے۔ سارا شاف نہیں جڑا۔ زیرین اپنی ہنسی دبا سے مجھے مجھے

دور کھینے لگی مجھے دھرم اس کے تھپتھپری تو مار دے گا۔ پھر دھرم نہیں

پڑا۔ وہ بھی نہ سننے لگی۔

انیل مارش جیتا سحریت کے جسے بے کش لے رہا تھا۔

ریمبرل پر ریمبرل ہوتا رہا۔ زیرین ٹھک کر تھوڑے مچھی مچھی۔ ہاتھ پر

ہو رہے تھے۔ کئی بار آنکھوں سے اندھیرا آگیا۔ دھرم دیو دھناتی سے

کھڑا۔ ریمبرل لے جا رہا تھا۔

”تو رہا میں کہاں سے صبروں کی؟ اس کی آنکھیں بند کر آئیں۔
 ”تو پھر کون جگ ملک کر رہی ہو جاؤ اب سو جاؤ۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔“
 ”تو پھر پینہ نہیں ہوئی؟ بے اختیار آنا سو بہہ نکلے۔“
 ”کس نے کہا پچھند ہو رہی ہے؟“
 ”دوب کہہ رہے ہیں، یہ بظہری تو میں بند ہو جائے گی؟“
 ”دیکھتے ہیں سب تو... تھیں کل کے لئے ڈانٹا لگ یاد میں نا؟“
 ”جی...“
 ”تو زور... کون ہو تم؟ اس نے غصوں پر دھڑک کر تھک کے
 چوچھا۔“

”دو کی؟ زرنہ نے سسکی لی۔
 ”وہاں اتنی سردی میں کیا کر رہی ہو؟“
 ”دوئی اچال تو... جھینک رہی ہوں۔ مگر پھینک چکی ہوں میں اچھڑ گئی۔
 ”دھجوت بالکل دھجوت تم تو رو رہی ہو۔ ایسے کام نہیں چلے گا۔ محنت
 کرنا پڑے گی سمجھیں؟“
 ”زرنہ نے سر ہلا دیا۔
 ”دو کھانا کھا لیا؟“
 ”ہیں۔ اماں نے کہا جھوک نہیں اس کے سیری میں تھوکر آؤ گئی؟“
 ”اور کوئی کوم کچھ کبوتر نہیں پینا؟ مرغیں تو جانی ہو گئے۔ لاکھ لاکھ انسان ہو
 جائے گا۔ دوسرے تین لاکھ ڈوب جائیں گے۔ زنا نے کیوں ایک دم جی بھکا ہو گئے
 بڑبڑ کرنے کو جی جاہ رہا تھا۔ اتنے میں رندھیر جھکا وہ پٹ کر جانے لگا تو دھرم
 پکارا۔“

”دار سے رندھیر کھانا کھا لیا؟“
 ”نہیں وہی پوچھتے آ رہا تھا۔“
 ”دو اس بے وقوف دو کی نے جس نہیں کھایا اور اماں جی بھوک میں دایا کر
 کیٹھو سے کوم سمجھ لکھنا نا دھرم ہی جھوڑا ہے؟“
 ”دو کیوں کیا مار پڑی؟“ زرنہ نے زرنہ کی آنکھوں میں جھاک کر چوچھا۔

”ہیں آج تو چھوڑ دیا ہے۔ کہتی ہے صبح گھر جائیں گے۔ میں نے کہا پچھ
 کا نعت ابن مسعود۔ چلی جاؤ۔...“
 ”دو تھک تو ہے؟ زرنہ اسے موٹیں دیکھ کر کھل پڑا، ابے اور کیشو کے
 بچے... دو وہ چیتا جوا باہر نکلا۔
 ”اس کی آواز کی ہلک سے ہی لوگ سمجھ گئے۔ مطلع صاف ہو گیا۔ زرنہ کو
 سکھاڑا کر جھینکا کام نکلی۔ کیمرو میں ادھر کرنے بھٹ تیجھے کے تنچے سے تاش
 نکالے اور اٹھنے لگا۔“

”دھرم دیکھ کر دیکھ کر زرنہ کی منہ پر سے اتر آیا۔ دھرم نے یاروں کی طرح
 اس کی گردن میں ہاتھ ڈالا اور جھکتا ہوا سر صوبوں سے اتر گیا۔
 ”زرنہ کی اماں کو دیکھ کر ڈی پریشانی ہوئی۔ بیٹی کی آب و ہوا شاید انھیں اس
 نہیں آ رہی تھی۔ پہلے سے بہت نصیحت لگ رہی تھیں۔ انھیں دیکھ کر اپنی ماں کی
 آگئی۔ ایک لڑکھن کر سب مور میں ایک شکل کی گلے نکلتی ہیں۔
 ”دو اسے اٹھے نہیں؟“ اسے دیکھ کر وہ اٹھنے لگیں تو دھرم نے
 رد کا۔ انھیں وہیں سوپ وغیرہ دے دیا گیا۔ اور سب وہیں فرش پر پالتی مارکر
 بیٹھ گئے۔“

”دو اپنی پچھڑ نوب شروع کر رہی ہیں؟“ زرنہ نے سب کو کھانا نکال کر دیا۔
 ”یہاں سے جا کر... کیوں کا دھرم نے کارادہ ہے؟“
 ”زرنہ نے وقت نکال کر سر ہلا دیا۔
 ”پچھتاؤ دو کی؟“
 ”کیوں؟“

”سب پر اور امان خراب ہو جاتا ہے۔ بہت دواٹ پڑے گی؟“
 ”دو براہ نہیں؟“ زرنہ نے سب تھک کر ایک لٹ رخا کر پر کرالی۔

”سوچ کر؟“ دھرم کو لاپ جا با دو لٹ واپس باون میں موٹس دے۔
 ”دو سوچ لیا۔ دواٹ تو کیا باقی پڑے وہ میں منظور۔ ایک لمحے کو دونوں
 کی آنکھیں لگیں۔ دھرم کھاتے پر تھک گیا۔“

دیکھو گواہ رنارندھیر۔ پھر رونے پینے سے کام نہیں چلے گا۔
 ”جی ہاں، تو رکھ روٹی ہوں، زردی تک کرولی۔“

دو بھول گئیں آج کی رگید، رندھیر نے پھینکا کسا۔

”دو پیسے دن سب کو ہی ڈر لگتا ہے۔“

”اب ڈر بھل گیا۔“

”بالکل مار ڈالنے سے تو رت۔“

”اور جو مار ہی ڈالا؟“

”تو پورے تین لاکھ کا پڑا، زردی نے باقوت سے تلوار چلائی۔ دھرم نے

ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

”اب کی پھر شہر بہت اہم رندھیر نے سوجا اور تیز فہم نہ میں رکھ لیا۔

ایسا بے پناہ قہقہہ بہت دن بعد سنائی دیا۔ دھرم اپنے رنگ برار ہوا ہے۔

نزیق اور دکھا رہا ہے۔ بس دو چار ہٹ لگ جائیں، پھر کوئی اونقیتہ مل جائے گا

جسدت جھٹکائے گا۔ یہ تو بے گہنی کا کام ایک فن کار کے کندھے پر نہیں

ہوتا۔ پانچویں میں دل کی آنگنگ نہیں ملتی اور جب آنگنگ ہی مہجانبے تو من

نہاں جی سکتا ہے۔

دھرم دو جب اپنے کمرے میں آیا تو اتنی تہائی نہیں ملتی جیسی روز بوا
 کرتی تھی۔ بات ہی کیا تھی، منگھا دو دن بعد آنے ہی والی تھی۔ آخر چھٹی شذر
 میں تو ایک نیک کام ہے۔ پتھر بھی کمزور ہے سردی نہ چڑھے۔ اس نے
 جھگڑا میکا ہی کیا۔

دوسرے دن رہبر سل بڑے زور شور سے شذر مٹا کر گئے۔ اینل چہرے
 پر بھونکی ہنسی چمکتی ہے الٹ بٹھا تھا۔ دھرم دیو کی یہ عادت تھی وہ بھونکی سے
 چھوٹی بات آڑشت کو فخر و کر کے دکھاتا تھا۔ زردی ایک تہی سی تھی کی تپان تڑ
 کر لائی اور بڑے ادب سے دھرم کو پیش کی۔

”یہ کیا؟“

”غصے کو زنگی تو ضرورت پڑے گی مزا دینے کے لئے۔“

”اوہ!“ دھرم ہنسنے لگا۔

”زرا دیکھئے، شگ پتلی ت کر نہیں، زردی نے پتلی پھیلا دی۔“

”پتلی غصے کو زنگی۔“

”تو کیا ہے، امداد دے چلے گا۔“

دھرم نے ہلکے تھی اس کی پتلی پر پھوڑا دی۔

”زرا کس کے مارتیے۔“

دانش برنی تو ز ریشہ انھیں بند کے سزا کے لئے ہاتھ پھیلائے نہ ہی منہ
کھد بہ بار نہ تھی۔

وہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ دھرم نے آگے ٹھک کر پوچھا۔

دوڑھاڑوہ کے تھوک دسی مول کر جوت نہ گئے؟

وہ خبر قفس سے کام نہ چلے گا؟ دھرم منسا۔

”اچھا لگا جیے؟“ زینہ نے تھیلی پر پھونک مار کر کہا۔

دھرم نے ہلکی سی چٹری لگائی۔

کوڑا کس کے مارے۔ واہ سزا دینی ہی نہیں آتی۔ یہ دیکھئے! چٹری

لے کر اس نے شراک شراک اپنی تھیلی پر لگائی۔

دوڑا سے لگی؟ دھرم نے اس کے ہاتھ پر تھیلی رکھ دی۔

فچی جو بڑی تو تھلا گیا۔

”ہائے سوری.... سوری، دروازے پر جو نظر گئی تو جیٹھی اڑی! دیکھ!

دوڑا سے تار کیوں نہیں دیا؟ اس نے بلو کر لٹا چاہا مگر وہ ٹھکرا کے

پچھے چھپ گیا۔

دوڑا سوار سے پہلے نوڈ پہنچ جاؤں گی؟“ امستہ امستہ بکھلنے لگے۔

زینہ نے ہاتھ پھیلائے بلو سبھاگ کر کس کی گود میں چڑھ گیا۔ وہ اسے کر کے

چکر لٹائے گی۔

”بڑا بچی ہے جس نے بکھا تو اکڑ گیا۔ بے لی تو ٹھیک ہے؟“

”ہاں جی کے پاس پھیرو دیا ہے۔ دوڑا کھینچنے لگتی۔ پسوں سے تھو

رین میری جان کو کھٹے۔ مگر میں نے تھوڑا بابا ٹھیک کال آیا ہے۔ سب تھرا

لگئے۔ کہ نہ جانے کیا بات ہے؟“

دوڑا نے کہا؟

دوڑا کہتی؟

”دوڑا دیتی، میرا تپی میرے نایا کی پی منیں۔ رہ سکتی۔ نہ گئی تو کھٹ میں کو

کر جان دے دے گا۔ اس نے منگوا کر انہوں میں بیٹھ دیا۔

ہنی مون کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ دھرم نے اسے یوں ٹوٹ کر باریا۔

”بندی!“ تردیدی ج میں آن چکا۔

شوٹنگ کچھ دیر پہلی اوٹ چانگ سی ہوئی۔ سب نے گئے پھر بدل ل

کر لئے گئے۔ دھرم کا موٹو خد سے زاہد جو خیال ہو رہا تھا۔ رہیں گے

بھر ڈسکس ہونے لگے۔ کبھی زہیر کے ساتھ کبھی تردیدی کے ساتھ پھر

طبیعت گھر آگئی۔ ایک سی جگہ سے دوسری جگہ زاہد موڑ دیا تھا۔ ساڈا نام

جھام ادھر بڑھو گیا اتنے میں سورج ٹھک گیا ایک آب ہو گیا۔

سوائے این کے سب خوش تھے برف اٹھ کر کے پرانا دھرم دیو

تو جگا۔

دو کام اچھا کرتی ہے؟“ جب سب پینے پلانے کے لئے جمع ہوئے تو

زہیر نے کہا۔

”ہاں۔ بڑی نہیں؟“ دھرم نے ادب سے دل سے کہا۔

دو سالہ لڈھیک باکل آٹھی کا مادھو ہے؟“

دو دھت نہیں کرتے بڑا کے اس فلم شارن مچھتے ہیں۔ تھر ڈکھاس

کینڈوں سے کا شریکٹ ل جاتے ہیں۔ پھران کے دماغ نہیں جتے؟“

انہل کو جیسے ہی دھرم نے سائین کیا پانچ منیوں کا معاہدہ ہو گیا۔ بگر

ابھی تین شریکٹ بھی نہیں ہوئی تھیں۔ ڈسٹری بیوٹر دھرم کی فلم کے انتظار میں

اگر ہیرا دل نکلا تو ریشمیں جاری و زور دکھانے لگا۔

”یاد رہے اسے چھوڑ دینا کمانی بڑا گھاؤ دھرم نے زہیر سے کہا۔

دھرم کی کمانی کئی دنوں پہلے پھر پھٹ ہوئی۔ کبھی جرش آتا تو بڑے زور سے

کاہوتے لگتا۔ پھر کوئی دوسرا پھر کمانی آڈیا ل جاتا اور کچھ دن بعد جب

اس سے ہی اٹھا جاتا تو پھر گھوم پھر گھوم کمانی پر تان توڑتی۔ تین سال سے

دھرم اس کمانی کی ادھیریں کر رہا تھا۔ زہیر کی چڑھ گئی تھی وہ کمانی۔

مگر دھرم کا موٹو دیکھ کر اس پر کام ہونے لگا۔

دھرم کی طبیعت کچھ ایسی حاضر تھی کہ کمانی جاتی تھی۔

منگلا بنیہ اطلاع دیتے پھر گئی کہ دھرم اس کے اچانک ہنسنے

سے اچھل پڑے گا۔ جب وہ ایک ہاتھ میں بلو کی انگلی اور دوسرے میں بلیک فٹ

جیسے کوئی سویا ہوا کسی اُن جانی آہستہ سے جاگ بڑا ہو۔

وہ نہیں تھے، بہت دنوں بعد درخش ہوئے، مشکلانے اس کی محبت کے جوش میں ڈوب کر ٹوچا۔

”وہ جیسے ہی دھڑکنے لگا رہا تھا، ”وہ سکی اور مشکلا۔ پھر دس کی جتنی پینا بلیں بڑھتی ہی جاتی۔ دس کی کی بھی اور مشکلا کی بھی مشکلا کبھی تو بولھکا جاتی۔ بلی کا بھانڈا کچے بھاگ جاتی۔ زندگی میں پہلی بار اپنی جان کی قسمیں دے دے کر اس نے مشکلا کو بھی بلانی۔ دھرم کی بات کون مان لیتا تھا۔ اور پھر وہ دس کی کی تین ہی تھی، مجبور تھی، وہ فن کا کسی جھانک باجھ کا ناس کر مڑیں یاد کر لیا کرتی تھی۔ سینہ ہی بلیک میں سا قریب آسمان پر پہنچ گئی۔ سستی سا دھڑکی نے فاشتر کے بار کو مات کر دیا۔ اور بلیوں نے نہ جہاں کی گود میں سو جانا۔ اسی کے ہاتھ سے کھانا کھاتا۔ وہی اُسے بھلائی دھاتی۔

وہ لکھا لیکن سنی مومن مارے تھے۔ بات باہر بیٹھی سوکھ رہی تھی۔
وہ بلیا کیوں نکل گئے ہوئے، زمین سے تو یہی دے کبار۔ وہ چاہتا تھا کچھ تو کام مٹاے۔

تو دھرم ہر قسم یہاں کیوں بھگ مار رہے ہیں۔ ما دھرم بڑبڑایا۔ اُسے سانی گول فرنیڈ یاد آ رہی تھی۔ نیک بخت سے بہت کبار تیر و شیرین کے ساتھ چل، لکڑا کر دگئی۔

”وہ مالک سے پوچھو، تیر ویدی سے جواب دیا۔

”اور سے بے چارے کو کسی میں تو صحت نہیں ملتی۔ یہاں ذرا موقع ملا ہے کاپے کو مشکلا تے ہو۔ کھاؤ، پوچھو سے اور صحت بناؤ یا زمین پر بولا۔

”تم نا صحت اپنی تو نہ دیکھ رہی ہے، اصل سبب۔

”اور سے کھانے کو نہ دیکھ رہے ہو۔ پانچ روپے پچھڑ گئی ہے کوئی مہینے ہاتھ نہیں لگا سکتا، ایک نیا اسٹنٹ بولا، اور یہاں سے جاتے ہی تیر ویدی صاحب دین دیاں دلی پچھڑ کی بدورت کر رہے ہیں۔“ ایل کاجی بڑھ گیا۔

خدا جانے فلم لائن میں انتہائی پراپیٹ بائیں کہاں سے ٹیک کر گئے، نالے میں پہنچ جاتی ہیں۔ دھرم روکے اسٹاف نے تو ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا

عز حجب، جیسی تھیں تو یہ خبر بھی کدو مار، ٹھپ ہو رہی ہے۔ سنے سیو کی گون پکھڑی چل رہی ہے۔ وہ بولھکا یا ہوا اپنے پروڈیوسروں کے یہاں رشک دے رہا ہے۔ ایک فلم کی ڈیوٹریں تیار تھیں، اس کے ڈسٹری بیوٹر نے سٹیل دینے میں کچھ پچھڑ پڑنا کر دی تھی۔ دوسری فلم میں اس کا سائڈ رول تھا کسی وقت بھی اُس کا سنا تھا، مگر اس کی میرٹ میں ایل پر بیان تھی۔ باقی کی تین فلموں کے بعد ڈیوسر نے اس کے ریاستوں کے دورے کر کے ہوئے تھے، مگر وہاں اب بھی نہ کے تینوں نواب زادے اور راج کمار سے جاتے ہیں۔

دھرم دوسرے کچھ پچھڑا تھا، کمال کرنے کی غرض سے زمین پر۔ کٹام سے شادی میں پچھڑا زمین پر ایک فلمی فنڈر، ”خدا۔ ایک مدد یوٹی وی میں بچوں کو بال ہی تھی، وہ جس میں نہیں، ”مگر زمین پر آئے ڈی پانڈی سے اپنی کمانی کا پیشہ چھوڑ دیا تھا۔ تو اس زمانے کی یاد دلا رہی تھی۔ جب وہ بچوں کے اداکار پریمی کی کھانا یاں چیل رہا تھا۔ وہ ٹانڈا کے پھڑخانے میں ملتی تھیں، سنی پچھڑی سی لڑکی تھی، بس پچھلیوں کی شان کوئی نہیں جانتے تو خاص میں سرے وار تھی۔ اس جیوٹی قسطنطنیہ بہت دیا کچھ تھی۔ ایک دن مٹے میں زمین پر اپنی پچھڑی میں سے آپا مٹے، بس نے جو غریبی دیکھی وہ بچوں سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر دیا، نیچے سے نیچے رکھ دیا۔

نوٹ دیکھ کر زمین پر بیٹے نے بت پر پچھڑ کر انا دیا، کچھ گھڑ گئی۔ اُس نے یہ پانچ روپے اس لئے حشر کر دے تھے کہ کوئی نہ آخری بار زندگی کا مزہ چکھ لیا جائے۔ پاس کی بھند سے تو لکھیا پر چھڑا دیا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان پانچ روپوں نے اس کی بہت پٹ دی جب عادت وہ نہیں میں ادا دھڑا انہوں میں بھاگ رہا تھا کہ میں شاید چائے پانی کا سٹال ہو جائے کسی نے کہا تھیں دھرم۔ دھرم پھر رہے تھے۔

دھرم دیا۔۔۔۔۔ دھرم دیو کو کچھ تو پھر کیا کہنے ہیں۔ اس نے کوئی ایسی ٹوٹی باتیں نہیں کیں جو دھرم دیو کا تر مہ جانا۔ نہ دھڑا دھڑا آئیدے سناٹے نہ سناٹوں کا ادب تھا۔ اس کو کسم پھیلا رہا۔
”کچھ آئیو اس کی ضرورت ہو۔۔۔۔۔“ اس نے پٹے وقت پوچھا۔

وہ بل بوتے تو خشک ہے، اس نے بڑی لا پڑا ہی سے کہا۔

جیک بھٹنا کر وہ جب عادت سیدھا جاک فائز می آرڈر کرنے پہنچا جو چھ سوچ کر اندر نہیں گیا۔ وہاں سے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا ڈانڈے پہنچا جرب ڈسٹ کر لی، ہانڈہ ہانڈہ مکھن میں ٹکی ہوئی بھلی کھائی۔ پھر دو کا پتہ پوچھا۔
”پتہ پتہ روڈوں پر فلیٹ میں ہوگی یا شاید میرن ڈرامیڈ اسے ٹھہریں، پھر“
”جیہ“ نے کہا۔

”وہاں پتہ زندہ پڑا گیا۔“

وہ اسے ہاں پتہ جو پوچھ رہے ہر چھپکھپائی کا پتہ کے معلوم یا کھانسا کھا

گئے جو۔“

زندہ جرب گھر پہنچا تو وہ پوچھ پتہ میں ہی اور بالکل دھرم تھی کی طرح رٹنے لگی۔ اس نے ایک بھاڑ مارا۔ جب وہ کھاٹ پر گر کر اترنے لگا یاں دینے لگی تو اس نے تلون کی جیب سے روپیہ نکال کر اس کے اوپر بکھیر دیتے۔
”وہ چاروں بعد زندہ میرنے اس سے ہاتھ دے گھر میں نکاح کر لیا۔ سیدھا امجد علی۔ نئی نام زندہ میر کی شادی کریا، بیگم اہل نام دو تھے بڑی غامضی سے ہو گئی۔ اور تین بچے بھی ہوئے۔“

زندہ میر کے ہاں تو ہر طرح کا آرام دے کئی مگر بچوں کا گلہ نہیں گھونٹ سکتی تھی۔ اور تین بچے باری باری رو میں تو کمان کیسے بنے، اس نے دوسرا میں ایک کالج لے لی تھی۔ کالج کا نام سن کر منگلا الف ہو گئی۔ وہ جانتی تھی ان کا بچوں میں کیا ہوتا ہے۔

”پتہ روڈوں کے طیت میں کیا خسرالی ہے؟“

”اے شادیوں میں ہمارا بڑا... دھرم نے ٹال دیا۔“

”بے باری بڑھیا کیا تھیں کا ٹی۔ چار بیڑوں میں۔ ڈانگ روم

تو آنگ روم سب عالی ڈھنڈار پڑے رہتے ہیں۔ وہ مال میں تو سب ایک کرتے ہیں رہتی ہیں۔ سب بند پڑا ہے۔ تم آگے دو کمرے لے لو۔ بالکل آگ ہیں۔
کھانا پیسہ جائے گا۔ پھر نکالنے والے کے۔ دیتے کا دانا نہ ملے۔“

یہ بڑی بڑی تیزی سے انڈسٹری میں پھیلی کر دھرم دو زربہ جمال کے ساتھ رہنے لگے ہیں۔ منگلا سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ منگلا خوب تھکی۔ اچھی کہیں کے۔ شرننگ شروع ہو گئی۔ صرف اٹانٹ کے لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ وہاں گیا ہے۔ جیک کسی کو نہیں معلوم سوائے جن غاس لوگوں کے کہ کھائی میں بدل گئی ہے۔

اینٹل نے کچھ اڑتی ہوئی خبر سن کر شرننگ ہو رہی ہے، وہ دوڑا ہوا آیا۔
”مجھے اطلاع ہی نہیں دی۔“ اسے اور کوئی تو لانا نہیں ایک اپ میں سے پوچھا۔

دو زربہ کا کام ہو رہا تھا، اس نے ٹال دیا اور ملدی سے باہر نکل گیا۔
تھوڑی دیر میں بھٹنا پتہ بنا دیا۔ پھر وہ سب سے لے گیا۔
”وہ بھی باہر گئے ہیں“ اس نے رائے لے کہا۔
”دھرم دو زربہ انڈیا گھوں پڑھا ہے بھٹنا تھا۔“
”دیگیا پریشانی ہو رہے ہو، میں کہتا ہوں خشک ہو جائے گا سب، کیشو نے پڑ کر کہا۔“
”اینٹل میٹ پر چلا گیا۔ سب اسے دیکھ کر بے حد کام میں مشغول ہو گئے۔“
”قام ہو رہا ہے کسے فزرت ہے۔“
”لو“ اس نے ترویدی کو دیکھ کر کہا۔

”لو“ ترویدی نے ترویدی باہر چل دیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہوا۔
”کیا بات ہے؟“ اینٹل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ وہ غامضی چھار دیا۔

”بات ایسے تک ہی رہے، ترویدی نے ایک اپ روم کی چیئر پر چڑھتے ہوئے کہا۔

”اس؟“ اینٹل کے بیروں تلے سے زمین سرکنے لگی۔

”پچھ پچھ ہو گئی۔“

”اوی؟ تو پھر پتہ شرننگ؟“

”پوچھ پتہ؟“

ساتھ دفتر میں جا بیٹھتی ہیں۔ پورے وقت اس کا ہنر اٹھائے ساتھ رہتی۔
ایسا خیال کبھی کسی ہیرہ نے منگلا کا نہیں کیا تھا۔ اسے زین پر بہت پیار
آتا تھا۔ شوٹ کے بعد وہ بھاگی بھاگی منگلا کے پاس آتی۔
”ٹھیک تھا نا وہی؟“

”اچھے دار کمرے سے بڑھو“
مدد واہ جی ہم تو دار کمرے کے دار کمرے میں ہیں گے۔ بس آپ سے ہی
ٹھیک رہتے ہیں۔ ورنہ بس اپنا تو دم نکلتا ہے؟
مدد تمہیں ان سے ڈر گنا ہے؟

مدد بہت ہے!
مدد کیوں؟
مدد اسے بڑے غصے کے تیز ہیں۔ سنا ہے مار بیٹھتے ہیں؟
”بہت بھلی۔ یہ تجھے کس نے کھرا دیا۔۔۔۔۔“

مدد سائیس: ”وہم نے دونوں کی کھسک سے چڑ کر کہا۔ ایک ٹیٹ ہو
رہا تھا۔ زینہ کو بک گئی۔
مدد کیا تم لوگ بڑبڑا کرتی ہو چپکی نہیں بیٹھیں تو بھاگ یہاں سے؟“ وہ منگلا
کے پاس آکر رہا۔
”دیکھا؟ زینہ نے ہم کو منگلا کا بازو چڑھایا۔“ وہ بھاگ پلو۔! بس میں
خیریت ہے؟

مدد اچھا بابا جاتے ہیں؟ منگلا اٹھ کھڑی ہوئی۔
”اور تیرے بھائی نے تو مذاق کیا تھا؟“

”وہ جو تو تم مجھے ہم دانتی ڈر گئے۔ بابا کو دو دھو دینا ہے؟“ منگلا تو
اٹھا کر چلی گئی اس نے خڑک نہیں دیکھا کہ وہم نے زینہ کو ڈانٹا کر بیچ
سین میں اڑھ آدھ کی باتیں نہ کیا کرو۔ وہم ختم ہو جاتا ہے۔ بیسٹہ قوت جاتا ہے
تو اس نے نام ہو کر سڑک کے لئے سڑکی سے تھیل لیا۔ وہم کا منہ ایک
دم تنق ہو گیا۔ بیسٹہ کوئی چیز اس کے دھڑوں میں سے اچھوٹی اور نہ بڑی

منڈلی تھیلی پڑھنے لگی۔ زینہ بھی اس کا رنگ دیکھ کر ڈر گئی۔ شاید وہ اس علاقے
کو بھول گیا ہو گا۔ وہ بھی تو لوں عینوں کی طرح گھوڑے لگا۔

سین بہت ہی نازک تھا۔ زینہ ایک نہایت سے قسم کی آبرو باختر لڑکی
کے رتب میں ایک بھولے بھالے شریف لڑکے کو بہا کر اپنے کوٹے پرے
جا رہی ہے۔ دو مہینوں سے ہزاروں روپے کی لاگت سے بنایا ہوا سیٹ
پورے اسٹوڈیو میں کھڑا تھا۔ منگلا ہوتا تھا مہینوں کی گندی گلی لاکر جادی تھی
پہ دھرم دیو مندرم اور شریف ہیرہ کے روپ میں کچے دھاگے سے بندھا
اس کے مادے سے لکھنا چلا جا رہا تھا۔ زینہ کے چہرے کا انار چھاؤ
شکل کی ہوئی بال اور جسم کی توڑم وڑو دیکھ کر ایسا مندرم ہوتا تھا کہ نہایت غریب
جسم فروش ہے۔ اس کے چہرے پر کار کی کیٹنا تھی اور نگاہوں میں منگی
نہی کہ۔ پورا غلام اس کی اداکاری سے بہت سو رہا تھا۔ زینہ کی بہن بڑی
شوٹنگ دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس جیسا کہ سین کو کچھ کر سڑکے پاؤں
میک کر زینہ تھی منگلا بھی سین سے ایسی ناز تھی کہ اسے یقین نہیں آ رہا تھا
کہ وہ گانا جو اس نے آنا ہی لگا کے گایا تھا زینہ کے ہونٹوں پر آتسا عریاں اور
فحش ہو جائے گا۔ گئی دن سے وہم اس سین میں جان ڈال رہا تھا۔ دن
رات ایک اور بیٹھتے۔ آج شاید وہ کچھ بھول گیا تھا کہ صرف فلم کا ایک سین
ہے۔ سین کے خلاف پرید پر یک سٹار مارا۔

ہاکیسا رہا وہی؟ زینہ منگلا کے سامنے دو زانو کر چھ پر رہی تھی۔
منگلا نے ایک بل کر اس فائز کو دیکھا جو اس کے معصوم تھی کو
تباہی کے غار میں لئے جارہی تھی۔ ان معصوم آنکھوں میں ایک فن کار کا آہنجا
تھی۔ اس نے لمبی سانس لی اور زینہ کو کہنے سے گھایا۔

اسٹوڈیو تالیوں سے گونج اٹھا۔ وہم کی باجیں کل گئیں۔ اس نے
ایک لفظ زینہ سے نہیں کہا اور دو سکر شوٹ کی تیاری میں بیٹ گیا۔
وہم کی سہرائی عادت تھی کہ جب شوٹنگ شاپ پر ہوتی تھی تو سوائے
فلم کے وہ ہر چیز کو بھول جاتا تھا۔ منگلا سے بھی اس کی ایک بہت سو

چڑھائی تھی۔ پھر اُسے باطل اپنی سوت گنتی تھی جس کی چاہ میں وہ اپنی چھٹی ہو کر بھی بھول جا جا کرتا تھا۔ مگر اب وہ اتنی نادان نہ تھی۔ وہ دھرم اور اس میں رہنے کے فن کار کو پہچان گئی تھی۔ پہلے وہ سداوطن کی آگ میں تباہ کرتی طرح طرح کے شک کرتی، جا نہیں لگائی، ذرا دوسری بات کا تعلق نہ دیتی، مگر اب اس نے سڑاٹ سے ٹھوک بجا کر پھریا تھا۔ اس کے دل میں شک نہ پیدائستے تو وہ دھرم سے کبھی ٹھٹھٹ کرنے کے بجائے ٹھٹھٹنے کے دل سے طرغ پڑتا کرتی اور اطمینان کر لیتی کہ ریسب آج ٹھیک ہے۔ باہر ہی باہر ہے اندر کچھ نہیں، جسے یہ دکھانے کے عمل کو دیکھ کر کچھ نہیں صرف پھینچتا ہیں۔

مگر یہ چٹیاں ہی جو بڑا کڑا تھی سما جاتی ہے! کسی شخصیت کی بات تھی، جو جی تو جا رہی تھی۔

زندہ میر میک اپ دھرم میں زندہ نہ رہیں اور مکے سے بھاگ رہا تھا۔ وہ بڑے اہنگ سے سن رہی تھی۔ اس کا چہرہ سین کے تناظر سے پھلکا جا رہا تھا۔ مگر کسی سارے میں وہ بڑی ہی دھمکی اور لاچار لگ رہی تھی۔ دھرم بڑے غور سے اس کے چہرے کی تاروں اور چینوں کو دیکھ رہا تھا۔ زندہ میر کسی کام سے باہر چلا گیا، یہ وہ اسی طرح کھلی ہوئی سین میں غرق بیٹھی رہی۔ اس کی اس خود فراموشی پر دھرم بے چین ہو گیا۔ وہ اس کے قریب گیا، مگر وہ پتھر کی صورتی بنی رہی۔ اپنی عادت کے باطل خلاف ہی نے اس کی تھوڑی تھوڑا ٹھانی۔ وہ اب تک الجھک کر بیٹھی تھی، اس نے مارا دیکھ کر اور پٹھانوں اور ایک آنسو ہوئی بن کر ٹپک پڑا۔

کریم بھی سین میں تھا۔

مگر دھرم وہاں نہیں تھا۔ اس نے کندھے پر مارا سے اٹھا۔

زندہ میر سسکی بھرنے کے اس کے سننے سے لگ گئی۔ مگر کریم بھی تھا۔

دھرم نے جھٹک کر اپنے ہونٹ اس کے کانچے ہوئے ہونٹوں پر رکھ دیے، کریم سین میں نہیں تھا۔

وہ نہ لگتی نہ دیکھتی، اس کی باتیں دھرم کی گردن میں جمائی ہوئی تھیں۔

اس کی گردن میں نہ چھپایا۔ پھر اس کے کڑتے کاٹن دانوں میں لے کر کھنسنے جس دی۔

کسی کے قدموں کی چاپ سن کر وہ اچھل کر الگ ہو گیا اور زندہ میر آیا تو بنیلں بھاگنے لگا، مگر زندہ میر شرمائی ہوئی مسکراہٹ نے خاص ٹھوکی دی۔ مدشور تیار ہے۔ پلو! وہ نائیل اٹھا کر چل دیا۔ دھرم بھی لپک۔ اس کے پیچھے بھاگا۔

”گنتا خوبصورت ہیں ہے۔“ اس نے میک اپ میں سے کہا، ہوا اس کا میک اپ درست کر رہا تھا، وہ کچھ نہ بھگا۔ جب زندہ میر سیٹ پر آگئی تو دھرم کی ٹھٹھٹ بنی ہوئی تھی، اس کی طرف دیکھتے ہوئے جان بھل رہی تھی، کبھی بھول چوک کی بڑی قیمت بھگتی پاتی ہے اتنی یہ دیکھ کر دھرم کو۔ اب سالی رعب کا ٹھٹھٹ۔ ایسی دیر نظروں سے دیکھ کر میک اپ دھرم والا سین بے پشت از بام ہر مانتے کا۔ اس اعلان پر مگر بے موقع لگاؤ شروع ہو جائے گی۔ بڑا دھماکا مچے گا، مشکلا چھا جائے گی۔ فلم رگڑے میں پڑ جائے گی۔

مگر وہ آتی تو اتنی ہی مذہب اور مستعد کبھی پہلے دن تھی کہ دھرم کو شبہ ہونے لگا کہیں یہ اس کے دماغ کا وہاں تو نہ تھا۔ کچھ سوچی تھا یا نہیں! اس نے اتنا مذہب کر کے کہ تو دھرم باطل ساٹ ہو گیا۔ بابا! رشوت لیا جاتا۔ زندہ میر پہلے سے زبردہ بہت ثابت ہوئی۔ دھرم اور بھی کڑا ہو جاتا۔

”دیکھا تو نہیں ہے؟“ زندہ میر نے آہستہ سے پوچھا اور دھرم کے اندر سہا ہوا بن کر کا۔ دیر ہو گیا اور دھرم کی گاڑی پڑھان دینے لگی۔ دھرم نے یہ بھی سڑک چھڑا دیا۔ مگر وہاں میں ہی اتنا شرم کر دیا۔ زندہ میر کی مڑج فنا ہونے لگی۔ مگر وہ جذباتی دھڑکنے کے بعد شامی ٹوٹر مڑھ پڑا، مگر زندہ میر کی تنہا کی طرح تھی جس سین کے بعد۔ دھرم ٹھٹھٹنوں پر اس ریتا۔ براہی کی ضرورت چڑھائی زندہ میر ٹوٹ ٹوٹ کر پھوٹی کی وہ۔ صاف دل کھنڈ رہی۔ مذہب!

”سب سسکات دے گا۔“ زندہ میر دل میں سوچتا۔ دھرم کی کاموڈ بناتے تو سب ملے۔ فلم جی جی سے بے خال ہے۔ ڈورے کا اب خطہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ نہ لڑا جائے گا۔ گزرنے کے تمام آثار ظاہر ہونے کے

کے مزے ہوتے ہیں۔ اسٹائن کا چھوڑا تو نہیں ٹھیننا پڑتا۔
 رنڈھیر کو جب دھرم کا مرضی داں تھا، سب نے اسی کو گھرا۔
 دھرم تو تو کام بل گیا، لیکن دوسرے تو بے ست، مڑے جانے لگے۔ کہیں
 ڈوبنے کا سارا بوجھ انھیں ٹھنکنا پڑے گا۔

”آخر بات کیا ہے؟“

”دل آگیا ہے۔“

”ہشت۔“ دھرم کا پہرہ نکالی ہو گیا۔

”اڑے تو اس میں یوں تھا باز این بھانے کی کیا بات ہے؟“

دھرم خاموش رہا۔

”تم تو بار بار اہل لوگوں کی طرح دم دے دے رہے ہو۔ دوپٹے کی

ٹوٹیا کے پچھلے ٹکس سال کی گفتوں پر اپنی پھر دیتے ہو۔“

”میرا تو راج خراب ہو رہا ہے، تو تم نے دل کا بوجھ ہٹا کر ہی ٹولا۔“

”اگے آگے ہی ٹھیک رہی ہے۔“

دو تڑکوں کا تھکا ہوا کلاٹ رہا ہے۔ اماں یا رحمت ہی تو سننے والی ہو گئی

تو تیسرے تو نہیں آگئی۔“

”موت نہیں ہا۔ نیچے میں کس میں گرفتار ہوں۔ جی جی جی جی۔ یہ لائن تو جھوٹ

کر کہیں دوڑ رہا ہوں۔“

”اماں سے کیوں جانے ہو۔ خواہ مخواہ نا کا تھکا ہوا بار سنہ ہو۔ تم

میرے ساتھ چلو۔“

”کہاں؟“

”جو جہنم میں۔“

”دو جہنم میں؟“ دھرم نے شکی کو نون کیا، دھرم کو ذرا میں اسے ساتھ لے جا

رہا ہوں۔ بڑی مہری سچوئیٹ بھنسن گئی ہے، باہم لوگ رات بھر بیٹھیں گے۔“

”وہ میں کھانے کے آؤں؟“

”مہ نہیں بھالی تو تو برہان مانے گی۔ تو کیوں تکلیف کرتی ہو۔ اگر ملدی

کام مٹ گیا تو آپ کو فون کریں گے اور پھر کھانے کے بندھن دے سکتی ہے۔“

جیسے ماں مہرا پچوں کے رونے کی آواز میں سے اپنے بچے کی آواز
 سن کر فوراً پہچان لیتی ہے۔ اسی طرح دھرم کا پول اسٹائن اس کے دیتے
 سے فوراً اس کے ذہن کے پردوں میں پھنس چکے ہوئے لونان کو چھان طرح پہچان
 رہا تھا۔ جھوٹے ٹکس نے تو اسے سرد سرد تراری کا شش میں ہاتھ پیر مار سنے
 شرم کر دیتے تھے۔ اگر کوئی بڑا دوسرے تو اسے نکال کر باغ میں رہا تھا تو اس کا
 اسٹائن سرکھی مٹی کی طرح شرماتا جاتا۔ بڑا دوسرے کی جانب سے باغیچہ لایا کر کے
 وہ دیکھے ہی ظلم اندہ سڑی میں جگہ کھوجتے ہوئے ہیں۔

دھرم نے سرٹیک میں تباہی برپا کر دی۔ ابھی مٹی ٹھنک رہی رو کر دی۔

اور دوسرے سین پھوڑ کر ایک دم پھر ناز کی ٹھنک شرم کر دی۔ تڑپ دی کر

دپس بلا کر خوب اس سے اٹھا۔

”دو آگ میں کوئی غلطی کرتا ہوں تو تم لوگ مجھے روکنے کیوں نہیں بھنسنی کا سارا

منافع میری جیب میں تو نہیں جانا سب کو مذہم تھا کہ تو اتنی آسان گانے کے بعد

اس کی سببیں خالی تھیں۔ اور حرا کر دیکھ اور حرا کر دیکھ سب کا جی آپاٹ ہو

رہا تھا۔

پھر اس نے تڑپ دی کو ٹال دیا اور اپنے دو کانٹک باہر کر دیے۔

”مذہم خاویں جانے کی پکٹی،“ ٹھنکے نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ اشار

”لو اب! اٹھو! اس نے دوسرے سے آٹھ مار لیا۔ اس کا منہ زرا
سا جو۔ ہاتھ مار کر نکل کر اس نے ٹپن لاپرواہی سے کہا: ”زیرینہ جی کو لیتے
جوتے پہنچ جانا۔ بڈیو سے میں نے کہہ دیا ہے۔ وہ تمہیں کوالتی کے سامنے لگا
اور وہاں سوتوار نہوٹانا۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو؟“

”دھڑا اسکر۔“

”ہیں! دھرم کس پر تک لڑیگا۔“

”اے تو! اس میں بات ہی کیا ہوئی۔ اگلا سین ڈکس کرنا ہے نا؟
”اواہ! دھرم ٹھنڈا لڑیگا۔“

زیرینہ بھال میک اپ تھمت ہی گھر ملی مایا کرتی تھی۔ وہی اسٹریڈ کی
میلی کپی ساراسی پہنے پللی آئی نہ کچھ پوچھا نہ کچھ، نرشی نرشی آگئی۔

زیرینہ اور دھرم اندر بیٹھے لی رہے تھے۔ نیچے اوپر کے جیسے جی سونے
جاسکے تھے۔ زیرینہ سن ہی بھی گئے تھے کیوں سے میلی نرشی تھی۔ وہ آتی بڑی
اشاد تھی نہیں کہ کھردلے اس کے آگے پیچھے پھرتے یا پڑوسیوں سے بیٹے
جاتے وقت اس کی ابا زنت طلب کرتے۔

”دراغل چاہا تو۔“ دھرم کے ہاتھ تڑپاؤں کی طرف سر دھتے۔

”تو سالی کا کھانا دیا تو نا؟“

مگر زیرینہ نے غل نہیں چھایا۔

جب زیرینہ اور دو تو اس نوٹ تو دھرم دو روپے کے سیڑھیوں پہنچا
سگریٹ پیوگ۔ ہاتھ اس کا ہون ہوا دیکھ کر زیرینہ کا دل ڈوب لگا۔ مگر
جب فورسے دیکھا تو دلہن نے مسکرائیں جھکا دل۔

”جو بیاہے! زید دھیرے۔۔۔۔۔ اس کا کندھا چھتا کر کہا اور میں
پھسکا مار کر پیٹ لیگا۔“

”میں بہت کبیر ہوں! دھرم نے مری ہوئی آواز میں کہا۔“

”کوئی سی سی بات نہا ہے ہو مرد کی ذات کی کمی ہوتی ہے؟
زید ہر نے خیر کہا۔ یہی مرد کی شان ہے۔ اگر مرد کی کاری کرتا ہے مگر چھپتا

قیاس ہے؟
کمرے میں جھانک کر دیکھا تو زیرینہ ساراسی میں مڑ چھپا گئے گڑی مڑی پڑی

تھی۔

”اے گھر بھو! دھرم نے سہارہ کر لیا اور غول خانے ہی چلا گیا۔“

دوڑنے زیرینہ کا شانہ بھو! تو معلوم ہوا کہ غل سو رہی ہے۔

دھرم کو نہایت پر دھرم کے اوسان خطا تھے۔ زید ہر کو بھی اختلاج ہو

رہا تھا۔ شوٹ تیار تھا اور ابھی تک زیرینہ نہیں آئی تھی۔ ڈرا پور نے دہس

ا کر کہا: ”وہاں کملی نہیں ہے۔ گھنٹی بجاتی بجاتی چائے تلک آگیا۔“

”دکھی سے پوچھا ہوتا؟“

”پوچھا، صاحب! میں ہی کی کو کچھ یہ نہیں رہتا کہ ٹروس میں کیا ہو رہا ہے؟“

”میں سے دھرم بیٹھا سگریٹ پیوگ رہا تھا۔ زید ہر کو بھی معلوم تھا کہ

اب نہوت آنے کی تو خیر گھار تھی اٹھلا تھی جیسے رات کے سو سے میں ہاں

اسٹریڈ کو خیر دیا۔ آسے پر ڈور سگریٹ پیوگ اور توں نے بڑے دکھ

دے تھے۔ اپنی زلت کا انتقام اسٹارٹ کے جوتیاں لگا کر لیتی ہیں۔ زیرینہ

زج جانے کب سے اس دن کی تلک میں تھی، کمال ہے!

ساڑھے دس بج گئے تھ تو اعصاب کا تار ڈھنسنے لگا۔

زید ہر کے معلوم ہوا نہوت میں کوئی نہیں!

”دھیل کن کوئی نہیں! اٹھاتا، نہ ڈرا تو۔۔۔۔۔ میں؟ نہیں! بار! دھرم

کا اڑا ہوا چہرہ دیکھ کر زید ہر کے بھی حواس جلنے لگے۔ اگر ہاں بیٹھی تے بچھکا

یا۔۔۔۔۔ اور کبھی چھوڑ دی تو؟

”بھلے ہو، دھرم! میں ایک مالی نہوت کی پڑی ہے۔“

جیسے ہی دونوں اٹھے، جیسے نہیں گن کی باڈی مل بیٹھی۔

زیرینہ اور شکار موٹر میں سے آتے ہی اوپر تیز ان کی طرف لپکے۔

”وہاں ہر دھرم!۔۔۔۔۔ مشکل کشا۔۔۔۔۔ زید ہر کا سلیقہ خشک

ہو گیا۔ آج آتے گئے پڑے!۔“

تب وہ بے طرح غافل ہو جاتا۔ وہ مجھے نہیں جانتی، دھرم دیو ڈاکٹر کو نہ جانتا
تھے۔ مجھے بخول مل گیا ہے۔ جس کو صرف ڈاکٹر نہیں، میں ہوں۔

وہ اسے کسی بہانے سے سین سمجھانے کے لئے میک اپ روم یا دفتر میں لے جاتا۔

”نیا کچھ خفا ہو“ وہ مجرموں کی طرح بوجھتا۔

”نہیں تو کیوں؟“ وہ بڑی سادگی سے پوچھتی۔

”دو کام کا سوڈ نہیں.....؟“

”میں نہیں، آج تو بہت موفیے بہت سی خوبصورت سیں ہے۔“
وہ ڈھٹائی۔

”وہ تمہیں مہربان ہو؟“

”وہ نہیں“ مائل نہیں“

عبداللہ قسم: دھرم نے زمین سے قسم کھائی بکھڑا مٹی۔

عبداللہ قسم: "وہ ٹرک سبند کی سے کہتی۔"

مبھیرہ درونوں ہاتھ پھیلا دیتا اور وہ موتی کی طرح تھکرتی اس کی مانیوں میں سما جاتی اور اس کے گردن کی دھڑکتی موتی رنگ پر سونٹ رکھ دیتی۔

دو سال سے فلم بن رہی تھی، مگر اس کے ٹرائل دیکھنے والوں کا ایمان تھا کہ مٹ جو مانہ جو دوسرے کی اس سے شاندار فرمائیت ہوگی۔ اسی لئے اس نے

ابھی تک پوری بزنس نہیں کی تھی۔ ہر جگہ ایڈوانس پر دینے کا ارادہ تھا مگر ساری محنت اور زحمہ بھرا ہوا تھا۔

شوٹنگ کے زمانے میں اس کے اسٹاف نے زرعیہ کے اداس
کے قلعے کو کھنڈرات کا محسوس کھڑا کیا۔ وہ دھرم

کواحق طرز جانتا تھا۔ بغیر زرمینہ کے وہ بے شمار کی موٹر کی طرح ٹھپ مڑ جائے گا۔

مگر وہ یہ بھی بات مانتا تھا کہ دوسرے بغیر شکار کے بھی زندہ رہ سکتا ہے۔

وہ مدد جانی ہے وگھڑوں سا جو کمرہ بنانا ہے۔ باب تک آپ یہ جواب دے

بدینے کے منصوبے بناتا رہے گا۔ جب بات حد سے گزرنے لگتی تو اسٹاف کا
 ایک روم منگوا کر سمجھانے لگتا۔ مال بچوں کا واسطہ کہنی کے مال بچوں کا واسطہ۔

۱۰۰: تنگنا (منعہ) کہ جس وقت کہ سب سے خوب سا سندور مانگ میں رجا سے بچوں کا ہاتھ

پہلے روٹھے دیوتا کو منانے آئی۔ پھر تھوڑی جگہ دوسرے دیوہینیا مسکراتا بیٹھ گیا۔

پر اجماعاً اور سب سے پہلے کے بنائے گئے۔ درود یہ وہ دُعا ہے جس کا ہر مسلمان کو پڑھنا چاہیے۔
کی کسی کو ضرورت پڑی۔ نہ اسٹاف کے لوگوں پر اس نے رعب بھاڑا اب
ہو گیا کہ ان کی باتیں سن کر اس کا دل کانپنے لگا، انکو سوچنا پڑا۔

لاڈوں کی ریکارڈنگ کے بعد منگلا جہت کھل سٹوڈیو جاتی تھی۔ نینتہ سال میں

تاش کھیلنے، دو دو خواہ مخیری نفوں کے دیکھ ڈالیں۔ کبھی دھرم کے ساتھ جاتی

زور دیا اور اس کی بہن بھی موتیں۔ زور دینے کے ساتھ ظلم دیکھنے میں بڑا مزہ آتا۔ مسجد

ہسانی۔ اگر دھرم بھی رکھائی ہے اس کی طرف دیکھ لیا تو وہ زبان نکال کر
میں دیکھ جاتی۔

یہ پہلا بھی رعب جھاڑنے ہوگی۔ "منکھلا" ٹیڑھی یہ خواہ مخواہ لی چہ ہے
 بچا دی سے "اور ورم" اٹھ کر جلدی سے لڑی میں جا بیٹھا۔

کیشو کی ناکر بندی کو چھلانگ کر انو میں اندھ سری کے خند و خالوں میں خوب پھیل رہی تھی۔ منگلا سے کبھی استرو دیو میں کوئی منجلا جرم غصت یو رہتی اشارتا بوجھ

نیسا تو وہ نسب کی مہمگ ٹھہینے لگتی۔
 ”وہ تو میری سہیلی ہے۔ ظلم والوں کے دماغ بڑے گندے ہوتے ہیں۔“

بجو اس کرتے ہیں۔
لوگ اس کی حماقت پر مڑ دیکھے نہتے۔

رتنا اندر مٹی کی شادی نہیں دعووم دھام سے ہونی تھی ویسے ہی دم توڑ رہی تھی۔ رتنا کی سفارشوں سے اُسے بھی کام تھے ملا۔ دیتا تو بچے کی پرورش میں محو

اگر جیسا برقی۔ اس کی قیمت کا شمار چمک مِلد اوداس نہ نیری کو باکل

بول۔ میرے سے نہیں اپنے میں سے بچ بول۔ اور مجھ میں دھرم کو لازم نہیں ہوگا۔
..... کھڑی کا ساتھ ہو، روٹنگ میں ہوں تو کچھ ہوتا ہے۔۔۔۔۔

”تمہارے ساتھ تھا کچھ؟“

”اب تم سے چھپنے سے کیا فائدہ، اگر کچھ نہ تھا تو تم نے ٹھیکہ کیا ہے کہ

پاشا خیر و مجبور مرزا تھا۔ مجھ سے تو بس تو یہی چوچا جاتی جیتی تھی۔۔۔۔۔ بڑا
زمانا مشکور تونے دھیا تو۔۔۔۔۔“

”تو تم کو کئی تو قسم ہو گیا، اس کا بھی میں ہو گا؟“

”بارگ سال کا تیرکٹ ہے“

”تو کیا تھا، دیے اب اسے باہر بھی دفعوں میں کام کرنے کی اجازت
مے دی ہے۔ اس دن ذکر مرزا تمہارے رہی کوئی کارادہ ہے؟“

”نہیں کے ساتھ؟“

”ہاں“

”تم اس کا بھی ہو۔ میرا خصم تو اب ہے ابجو۔ دھرم خوب جانتا ہے کہ

اس کی ناکہ کو کچھ سا بھگ جائے گا اور ڈاکو سے نہ لے گا، مگر ایک بات کہے
دیجی ہوں، میں تیری طرح بھگ نہیں بیٹھے کی؟“

”بیک بک کئے جاتے کی بس اٹھی فلا اسکیٹ تیار ہے۔ ریت ٹران
ڈاکوٹ کر رہا ہے۔ کائنات کی ہو گی۔ ٹیڑی کی ہی میں نے سیں۔ وہ تو ڈاکو

میں گئے ہوں تھے۔ اسات بیکار بیٹ کر کھائے گا۔ اسی لئے جدی سے شرف
کر رہے ہیں۔“

”تو ٹینگ سے؟“

”میری مجھے بڑی عقل بھاری ہے۔ جیڑ خصم تو کھٹے بندوں کا رہا ہے اُسے
نہیں روکتی۔“

”جئے ہے، وہ تو ہوتا دیرا ہے میرے۔ دے کے بھلا کر کے گا۔“

”دو چھوڑ دے کو؟“

”ماتے رام کیوں چھوڑوں، ارے جس پند بھگ کی عورتیں جان چھوڑتی

گر ہستی ناکے بہت شامٹ کے غیث میں رکھ دیا خود فراتے بھرنے لگا۔ ریتانے
بہت اوجھ چلایا عکس نے اس کی بواکس پر عورتیں کیا کیونکہ دھرم کی
غلطی کے بعد اس کی تمام غلطیوں کو بکس۔ اور اس نے اسے دودھ کی
مٹھی کی طرح نکال پھینکا۔ ہاں بطور رتی کی ہوی کے اب بھی اس کی ساکھ تھی۔
مشکلا سے اس کی راہ دھرم بڑھنے لگی کیونکہ وہ بھی خوب سننے لگی تھی۔
اس نے زمین اور دھرم کے پرستے پر روشنی ڈالنی شرف کی جھلکا
نہیں کے کمال دیا۔

”تم پر تشدد کیا، وہ تو بڑی دیوی ہے نا اُسے کچھ نہیں کہیں۔“
”ارے وہ بڑی سیدی ہے۔ میں اُسے جانتی ہوں یہ مشکور تھی۔
”ارے تم کیا کھانے اُسے بھگو، وہ تو بڑی بیکار ہیں ہے، دیکھنا دخول
میں کھو گی۔“

”ارے چل ہٹ سب تیرے رہی جیسے نہیں۔“

”ارے کیا رہی کی رہی کا باب، سب مورے چر ہیں۔“

”اب تو عمارا تھا بھگڑا بھی نہیں ہوتا۔“

”ہنہ اسے فرصت نہیں ہے تیرے چھوٹنے کی یا بار کرنے کی۔ بچتا
مشکور تیرے دن سے بچے بار لینے کی فرصت نہیں ہی، کب کیا تا اس نے بچے

آخری بار بار؟ وہ کالی تو مٹاے ہوئے تھی۔
”عاب کوئی مجھے بلو توڑی ہے۔“ مشکور کچھ سز ہونے لگی۔

”یہ نہیں کرتی نے کب پایا تھا۔ کل؟ پرسوں؟ کچھ ہفتہ۔۔۔۔۔
..... اس سے کچھ ہفتہ؟“

”ہاں بھی میرا خود ہی نہیں کرتا۔“

”دیکھو، سورج مشکور آنکروں، جیڑا باریوں ٹھنڈا پڑ گیا ہے جہاں دو
ہاتھ سے جیتی ہے۔“

”میرا میری طرف سے ہی ہوا۔۔۔۔۔ بھلا دیکھتے ہو مجھے کیا نے وہیں
دکھا میں۔“

”تو اپنے ہی کہہ لے کے نے کہتی ہے کہ تو نے ہی ملایا دیکھو مشکور

ہیں وہ ہے تو میرا۔ پہلے یہاں ہی سوچتی تھی چھوٹے دوں، پھر میں نے سوچا ایسا کب وہ جان
مجھے، اور کہاں ملے گا؟

”مجھے کیا پروا نہیں کرتا؟
دیکھتے نہیں کرتا، بہت ساری کوئی سستی تھی تو وہیں نہیں کر رہی تھی نے نکال دیا
تو نہیں کہیں میں تو حرام نہ اسے کی جاتی پر پڑھ کر کہہ بی لوں گی۔ اور کبھی سے اچھے
گھرانے کا اس کے خاندان میں کوئی ختم تھا؟ کا دستور نہیں۔ بھگوان کا شکر ہے
ابھی تو تم تو بہت دیر تک رہی تھیں؟

”میں چاہتی تھی تو شنگار کی سچی طبیعت پھر تازہ ہو گئی۔ وہ ابھی کچھ غافل بھی نہیں
تھی۔ کچھ تو زندگی کی طرف سے اسے اندیشہ نہیں تھا۔ مگر اسے وہ واقعی تو دوسری
ایک طرف سے ہو۔ دوسرے اگر کچھ ہوتا تو دوسری طرف سے ان کو نہ دیتا اور نہ ہی
خود ہی دیتا۔ پھر بھی جب شام کو دھرم دلوں یا تو وہ اُسے بڑے غور سے دیکھتی تھی
نہا ہوا کر اُسے پھر دیکھتا تھا کہ کیونکہ ایک عجیب ہو رہی تھی۔ وہ چارکٹ بھی لگنے
نے تھا مگر ادھر سے بہن مکمل ہو جاتی۔

”دھرم کر رہے ہو؟ پورنیا؟“ کی؟
”ہاں کل لاڑو آجائیں گے؟ دھرم آئیے کے سامنے شنگار لکھی کر رہا تھا۔
”وہی سے کاٹھکٹ ہو گیا؟

”ہو جائے گا؟
”دکھ؟“
”ہاں کل برسوں بات ملے ہو جائے گی؟“ اوروہ جلدی سے چلا گیا۔
”اُسے جھگڑنے یا جاکر کرنے کی فرصت کہاں؟“ اُسے ریتانے بول یل
آئے گئے۔ نہ جانے کیا تو بھی جو تھ زینہ کو فون کیا۔

”دھرم میں بڑی ابھی فلم ہے تم اور امینہ ملتی ہو؟“
”ہاں وہ دیکھ مجھے تو ڈراما کیسٹ ڈب کرنے جاتا ہے اور امینہ آج کا بچہ
بیلہ ہے۔ اُسے کیا کروں؟
”دکھ کی بات نہیں؟“ اس نے ایک بھلا سا لپکا آڈیو اور چلی بنائے گی۔

جب دھرم اور زینہ فلم کی باتیں کرتے ہوئے دفتر کے کچھ کمرے میں
داخل ہوئے تو شنگار اچڑائی سے کرا کھڑی تھی جیسے ابھی اس کی آنکھ کھلی ہو۔
”وہ ارے دیدی! زینہ مکمل مچھی۔“

”تم کچھ بچہ دیکھتے نہیں چلیں تو میں نے سچا چلو اسٹوڈیو میں چلیں، بہنیں یہی
تو زینہ لگتی؟“
”دیکھنا ڈھنگ دھرم میں آجائیں کہ حسین ڈراما لگ چکے ہیں نہ دھرم نہ بھیا
”نہ؟“ وہ اس کے قریب پہنچ کر مار مار رہی تھی۔ ”دیدی کل میڈی میں چلیں؟ کیوں؟
ہو جاتے؟“ وہ ابرو اٹھا کر بڑے غصے سے بولی۔

”صاحب سے تو پوچھ لو؟“
”دکھ ریخت میں نہ جاکر گئے؟“ کی شوٹنگ ہے میں مٹا بھاگ رہی تھی؟
”وہاں شوٹنگ میں دل نہیں لگتا؟“ مشکلانے دھرم کی طرف ترہی نظر لپ
سے تھام۔

”دھرم نہیں ملتا۔ یہاں تو سب اٹھے ہیں؟
”دکھ تو بہنیں جو محل میں اپنے میں ان کی بات کرو؟“ اس نے دل میں
سوچا۔

”وہ میں چلوں؟“ اس نے دھرم سے پوچھا۔
”وہاں، برا اسکرپٹ لکھتی جاؤ۔ جو لپنے آئی ہیں؟“ دھرم نے بڑے
بھونڈے پن سے کہا۔

”وہاں؟ ہاں؟“ زینہ نے بات نیچال لی اور فائیل لے کر جانے لگی۔
”دھرم وہیں بھی ملتی ہوں؟“ وہ سا دھرم دھرم تھی۔
”وہ میں نہیں جانتی؟“ دھرم نے کہا۔
”نا بھابھا کہیں گئے؟“ زینہ نے کام نہیں کرنے دتی ہوں۔ تم اپنی ایڈیٹنگ کرو؟

”اور وہ زینہ کا ہاتھ پکڑے مکمل لگتی۔
”موتی اس نے بڑی جاکب دوستی سے فائیل کھولا اس میں ایک ٹیڑھا سپلاٹر
کا حساب کتاب لکھا تھا۔

”وہ ارے؟“ زینہ نے قہقہہ مارا۔ ”دیکھ کیا چلو اور دھرم جی نے؟“ اور وہ

انسانک کو فہرست بڑھ چڑھ کر پہننے لگی۔
 میں اس لڑکی سے نہیں حیات پاؤں گی، منگلا کا دل بیٹھے لگا محروہ اس کے ساتھ جھپٹی رہی۔

دوسرے دن اس نے فائیل لاکر میرے رکھ دیا۔

میں نے تو خاک پتے نہیں ڈرا..... وہی کہہ رہی تھی مجھ سے بے دیا ہو گا۔ میں نے کہا نہیں وہ اس کی فعلی محترمی کرتے ہیں فعلی تو مجھ سے جڑائی ہے کہ رنجیت میں نہ شرمگ نہ کچھ اور.....
 دھرم نے کھڑی دیکھی اور سوتا ہوا اٹھا۔

جب منگلا نے یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ واقعی رنجیت میں ہے یا نہیں اسے خون کیا تو بھاگی ہوئی آئی۔

”کیا ہے دیدی؟“ اس نے بڑے پارے پر بھاگا۔
 ”کچھ نہیں..... میں تو پھر رہی تھی کہ..... وہ تم ملو گی۔ میں تار کے ان جاری ہوں“ منگلا نے بات تائی۔

”وہاں ضرور میں چھ بچے آجاؤں گی بشو رنگ تو نہیں ہو رہی ہے سیٹھی میلا ہے۔“ اس کی بریکس کرنا تے۔

منگلا اپنی ہر شہیاری شکرانی ہوئی صوفے پر لیٹ گئی اور گلاس نبھال لیا۔
 زور نہ دیا اس کی تو زور نہ دیا اور دھرم چپ ہو گئے۔

”میرے نئی بچہ کا وہ زور دار نام تو بھابھ کے کیا بتائیں؟“
 ”کچھ تو بتاتے، زور نہ دیا۔“

”جو ہے بھابھ کی آئی؟“ وہ تھکے لگا کر پوچھ گئی۔
 ”مٹیک، سوئی صدی، ٹیک، مٹیک، مٹیک ہے۔“ زور نہ دیا کہ دھرم کا تونو ایک دم آت ہو گی۔

”تو زور سے کاٹر بیٹ نہیں کر رہے ہو؟“ منگلا کا تڑپتی ہوئی تھی۔
 ”مجھ سے اس کے غزنے نہیں ہے جاش ہے۔ پتہ ہے تھیں جودگ

اسے لیجے میں آئیں گئی کا نچ پٹا ہے۔ اس کے دماغ خواب کر دیتے ہیں۔
 ان گلے کے پروڈیوسر نے۔“

”تو پھر راجد کو لے لو۔“
 ”اس کے پاس بارہ غنیں ہیں میری مانگ کے مطابق وقت سے کئے گا۔“

”دی کیوں نہیں کہتے خود کرو گے؟“
 ”میرے آج میرے کچھ کیوں بڑی ہو۔ پروڈکشن میں تم نے کبھی دس نہیں دیا۔ اسی کا بچہ بڑی ہے نہیں۔“

”دی کیوں کیا ہے تو پہننے کا؟“
 ”اچھا کار نہیں، بچہ ہی تھا رہی ہے پر میں

تھاری کچھ نہیں؟“

”میرے سب کچھ جو اپنی تھاری میں بھی تھارا۔“

”تو ہیروئن کے لئے تھارا کو لو؟“

”کیوں؟ زور نہ دیا کو کچھ نہیں۔“

”دی کیوں نہیں کہتے اس کے ساتھ خود کام کرنا چاہتے ہو؟“ منگلا گرم ہو گئی۔

”دھرم؟ دھرم ہی گنم ہو گا۔“

”زور نہ دیا، ہو گا۔“

”تم کہتی ہو اس لئے.....“

”تو کبھی کر کے ہو۔“
 ”بہنیں کرو گے.....“

”بہنیں؟“
 ”بہنیں؟“

”بہنیں؟“

”بہنیں؟“

”بہنیں؟“

”بہنیں؟“

”بہنیں؟“

میں بھرت نہ تھا۔

بعد تو رزیدہ..... کیوں گناہ کار کرتے ہیں، زریزہ نے اپنے پر پھینکے۔
انسان کے دل میں کتنے غلے ہوتے ہیں۔ ایک خاتے میں ماں کا سار۔
دوسرے میں بچوں کی مٹا۔ تیسرے میں بھائی کے لئے اگلا خانہ، چوتھے میں بھائی کی مٹا۔
منگھلا رہتی تو دنیا بھٹی۔ زریزہ کو ایک دن نہ دیکھا تو زریزہ کی سی کیفیت طاری
ہو گئی!

نظم رلیز ہوئی تو دنیا کی کوئی بات یاد نہ رہی۔ دھرم کا منگھلا آسمان پر چڑھا دیا
گیا۔

زریزہ کی ماں کی طبیعت خراب تھی، اس لئے ہر جگہ رلیز ریاں ہوتی تھیں۔
ٹوٹے ہوئے تاجروں سے تھے۔ دھرم تو ان پارٹیوں کا سلسلہ ختم ہی نہ ہونے میں
آتا تھا۔

اور جب بیگن گرج اور چنگ تہو ہوئی تو دھرم بھر گھٹن اور اکیلے پن کے
احساس سے جھلک رہا۔ وہ بھس بیٹھا پائیزنا منگھلا، اس کا تھوڑا سا تھوڑا تھوڑا
دن شادی کو گزر جائیں تو پھر منگھلا پڑی جاتا ہے۔ نشہ میں دھرت ہرگز نہیں
جلدی آجاتی۔

منگھلا اس کے سپرد ہی پڑی کر دینا۔ جب تک بہت فراغت ملا
نہ چڑھا۔ منگھلا جڑی رہتی۔ سونے کی گولیاں بھی مانڈ پڑنے لگی تھیں۔ منگھلا
تھا، وہ بھرت اس کے سپرد ہی تھا۔

دھرت ڈانٹنے سے نظم شروع کرنے پر زور دینا شروع کر دیا۔ اسلمات بھی
آگئی رہا تھا۔ نظم شروع کر گیا تھا۔ ہر دو کا تھوڑا سا دھرت سے جاری تھی۔ روز
نئے لوگوں کے ٹیٹ لے جاتے۔ فریڈ جو ایک سپرد پالنے والے زمانے کے اسٹنٹ سپرد
کا رہا تھا، اب کل ہی یابی تھا۔ دھرم نے تو کائنات کی اجازت دے دی تھی۔
کیشو ڈا بھجوا رہا تھا۔ ذرا کام چلے پھر ہو جائے گا کائنات کیٹ۔ دھرم کے
سامنے کام کرنے کے لئے بس کام ہی کی اہمیت تھی، معاہدہ کوئی معنی نہیں دیتا
تھا۔

اب ہی دنوں بھرت میں زریزہ کی شوٹنگ چل رہی تھی۔ اس کی بزنس کیشو ہی

سنبھالنا تھا کیونکہ دھرم کا بھائی تک دھرم دو ٹیٹ کی لڑائی، آجی رقم کھنڈن کوئی
مٹی، جو بھی کھنڈن نے اپنا حق لگنا نہیں کیا تھا۔ کیونکہ زریزہ نے نابھٹ
اور موٹے لی فٹس لٹلین اور بکٹ رہی تھیں۔

نہ جانے کس کام کے سلسلے سے دھرم آدھ بکٹ گیا، پورا تمام جام سیٹ کھٹ
تھا۔ زریزہ نے اتنا زور لگا کر پھرتے پھرتے دھرم سے سیر کے ساتھ انتہائی سستے
قسم کا روٹاں لٹا دی تھی۔ ات لوں ٹھہر گئے تھیں شکایت دیکھ کر دھرم کا خون
کھول گیا۔

”یہ اٹھک ہے؟“ اس نے بریک میں زریزہ کو گھیر کر ڈاٹا۔ ”نہ زریزہ
طرح اٹھیل رہی ہو؟“ دھرم فٹ سے بے قابو ہو گیا۔
”وہ ایسا ہی رول ہے،“

”ناک رول ہے، اتنی اٹھیل میں شکایت ہو اور گلا بھارت کھینچی ہو۔ ویسے
سے نہیں بولا جاتا؟“

”اب جیسے ڈاٹ کر لے کر پڑتا ہے؟“

”کیوں کر پڑتا ہے؟“ ساری اٹھک قبول گئی۔ ”یہ تھوڑا سا اٹھیل
کی طرح تھوڑا آگئی تو ”پورنا“ کا رول ہی گور کر کے رکھ دو گی؟“

”وہ وہاں کا ہے گورڈوں گ۔ آپ کی فچی جو سار ہو گی؟“

”ست لڑائی ڈاٹ کر پڑی ہے؟“ دھرم نے منگھلا سانس کھینچی۔

”مکڑ آپ تو ہوں گے؟“ پھر.....

”فریڈ کو یابن کیا ہے، میں اتنی شوٹنگ کے سلسلے میں ہوں کا زیادہ تو؟“

”ہاں، آٹھ، آپ نہیں کر رہے ہیں اس میں کام؟“

”نہیں.....“

”تو.....“ پھر نہ کر لے، زریزہ کو گورائی۔

”نہیں۔“ دھرم کہتا ہے اس نے رول تھیں ساتھ رکھ کر کہتا ہے۔

زریزہ نے ایک اپ بکڑہا جانے کے ڈرے آنسو لے لئے۔ لیکن آنسوؤں کے بغیر

میں طرانا آٹھ کھائے جاسکتے ہیں۔

”بہت اچھا رول ہے۔ تم ہی کر دو گی؟“

”وہ ایک بک نہ کرو، آئیے ماں جی۔“ زہیر نے ماں کو رمانیت سے آٹاڑا،
 مینے کے پیچھے چوکودیں لیا۔
 ”دو چوڑا تصاری کیسی خبر لی جاتی ہے باہر نہیں گن تانے بیٹھے ہیں؟ اس
 نے چپکے سے زہیر کے کان میں کہا۔
 ”وہ آپ بھی اس چل کی باتوں میں آگئیں؟“ زہیر نے امینہ سے کہا۔
 ”دیکھا لیکن مجاہد ہے۔ تو میں اس کی چلی جاؤں گی۔“ ریل کے نیچے کھٹ
 جاؤں گی؟

اسٹیشن کے شدید چڑھسی موٹی میں سے زہیر نے ایک تیلی سی چھڑی
 توڑی۔ تپتے سو تپتی ہوئی وہ موٹر کے پاس تھی۔ دھرم بے تعلق بیٹھا دھواں اٹھا
 رہا تھا۔ اس نے چھڑی لی اور زہیر کی پھیلی ہوئی بیٹلی پر شکار کئے کسی کو دیا
 زہیر کا منہ مضبوط ہو گیا۔
 ”دیکھ ادر۔“ ایدو اس؟“ وہ ٹھکرائی۔

دھرم نے اور بھی زور سے چھڑی ٹھکانی۔ احتیاط سے چھڑی قریب رکھ
 لی۔ زہیر جو اماں اور امینہ کو اسٹیشن دینے میں جھٹکا کر لوٹ رہا تھا میٹانی پر
 سے پسینہ پڑھنے لگا۔ دھرم نے ایک ٹھیکے سے موٹر پر چاٹی۔ زہیر
 دھول اور پتھروں کے فبا میں ڈرے مٹھتے سے ٹھکرا رہی تھی۔
 ”مجھے پہلے گھر آنا دو، زہیر! زہیر! کر سیدھا مچالا۔“ دیکھو دیکھو شکر
 جگایا اور اپنے سینے سے ہلکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

۸

”بورنا“ کی شوٹنگ بڑی گن گرنج سے شروع ہوئی۔ گانوں کی ریر سہل
 ہو رہی تھی۔ منگلا بڑی جن سے ٹی جوتی تھی۔ بس یہی دن تو اس کی ہلک
 اھیت کے موتے تھے جب وہ منگلا ہوئی تھی، اصرت دھرم دلو کی تپتی ہی
 نہیں۔ ایک منظم من کا جس کی آواز کا جاو دھرم کی ہٹ غلوں کی جان تھا، ای
 میں سے دو چار تو خا بدیش کا زوں کے سسک کر زور دیتیں۔
 ”آٹنی، دھرم نے کچھ میرے بارے میں طے کیا؟“ جب وہ میا ہی گئی تھی
 تو زہیر بارہ تیرہ برس کا زکا تھا۔ پڑوسن کے ناطے آٹنی ہی کہتا تھا۔ دفتر میں
 دھرم کو اکل کھنا چھوڑ دیا تھا مگر وہ تو آٹنی تھی۔

آمد کوں کیا ابھی کا شریعت نہیں مانتا کیا؟
 ”مجھے تو شریعت کی پروا نہیں، میں کا شیڈم کی ناپ کے لئے روڑا
 ہوں کیشی روڑا مال دیتے ہیں، نہ لوگ کاڑیاں ہوا۔ کیا دھرم جی بھی اس
 میں کوئی رول کر رہے ہیں؟“

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اسے حال کر سیٹ دیکھنے چلی گئی۔ سوئی کا
 سیٹ لگ رہا تھا۔
 دیکھ بھرا لا مارا جا کر میں۔ کچا روڈنگ ہو چکی تھی۔ دھرم اس سے مطمئن نہ تھا۔
 دو دنوں سے اسی گھنٹے میں تو میڈن نے ٹھکرا رہا تھا۔

دہ قریب کا نثریٹ کب ہوگا؟ اس نے کیشو سے پوچھا۔

دہ اس سیٹ پر سیر کا کام نہیں ہے

دہ برات تو آتی ہے نا؟

دہ دو لھا لٹہ مچوؤں سے ڈسکا ہوگا، کوئی اچھٹا جٹا دیں گے

دہ اور فریڈ؟

دہ بالکل کیرا ہے۔ اس قدر ڈسٹاگ مہولہ ہے، جڑا ہو جائے گا۔

دہ اس کے سن کا نہیں۔ رحمان سے آج بات کرنے جا رہا ہوں۔

دہ ہیرو کے لئے؟

دہ نہیں، محبوبت کے دل کے لئے، بہت اچھا رہے گا۔ اپنے ریوٹ

کے ساتھ اس کی بھی جتنی ہے

منگلا خاموشی سے اٹھی اور موٹر میں بیٹھنے لگی۔

دہ آپ کو رکشن صاحب جلا رہے ہیں۔ شام کو ٹیک ہے گا لوں گا۔

دہ جلدی اس نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ اسٹنٹ وصول مہا جکارہ گیا،

مہا جکارہ کیشو کے پاس گیا۔

دہ اچھا جادو دست میں جائے، جھوڑا دے

دہ دروازے بند کر کے سٹوٹ ہوئی۔ دھرم الگ تھلک پھیرا ہوا بیٹھا

تھا کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ منگلا کی اکو سب کو کل دی تھی، بیٹھ تیار

ہو رہا تھا۔ اب اگر اڑھین بڑی تو پھر غلام شروع ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔

منگلا کو فون کیا تو معلوم ہوا کہ نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ دروازہ بند کئے دوپہر

گھر میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ غسل کھیل رہی تھی۔

دھرم نے صاف کہہ دیا وہ ناک مار گزرنے نہیں جاتے گا۔ پھر نہیں

منی ہے نا۔ زرخیز باج کے توڑے پھر دی تھی، بیچ بیچ میں کپڑے پہن کر

سارے میں دکھائی دے رہی تھی۔

پہلے تو کیشو اور دھرم کو مانا جا چکا تھا کہ اس کے لئے تو منگلا جتنا کر نکلی اور

خواہ مخواہ برتنے لگی۔

دہ غریبوں جیسی باتیں کرتے ہو یا لالی کا پیسہ کھاتے ہو؟

دہ بھائی، رخصت ہونے سے پہلے کر کے بات نہ بنائی۔

دہ مٹھو، مجھے بھائی نہ کہو۔ اپنی ماں بہنوں کو گھیر گھیر کر صاحب کا بستر گرہانے

ہو۔ تم ہی لوگ۔ اور ارضیں اور غلام ہو۔ وہ کبھی تو جا رہی تھی تم ہی اسے

اگت پوری سے ڈھانکے۔ اب باز اسی سے گانے چن گواڑے، وہ اپنے اپنے

میں نہیں تھی، دھرم کے ہیکے جھوٹ رہے تھے۔ ریتا اسے گھسیٹ کر اندر لے

جانا چاہ رہی تھی مگر وہ بری فہم برکس رہی تھی۔

دہ مجھے سب معلوم ہے جیسے تمہاری اپنی بھیمانی سب جھیل رہی ہے،

مجھے بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے۔ وہ ہی جھیل کے جن نے ناکس روڈ چٹکتا یا ہو۔

گھر کو سڑا کر کے پیش کا ڈا بنا رکھا ہے۔ مجھے سب خبریں ملتی ہیں۔ مجھے کاش کے

اپنی بات برادری والی کو مہیا نا جاتے ہو۔

اگر اس کی جگہ کوئی دوسری گانے والی ہوتی تو نہ دھرم کو کاش نہ توڑ دیتا۔

دہ اور کیشو جب جاب چھوٹ کر نکلے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔

دہ اب غفلت ٹھکانے ہوئی ہے دھرم نے غصہ دیا، وہ بڑے چمکاتے ہو

بہنوختی کے

دہ بھائی میں جائے سستوختی، خدا قسم تمہارا لحاظ نہ ہوتا۔

دھرم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

دہ مجھ پر کیا لائے ہے؟ دھرم نے اسے سلکانے کو روک دیا۔

دہ رخصت ہونے کے بعد میں بس گئے۔

دہ دھرم نے اسے سلکانے کو روک دیا۔

دہ رخصت ہونے کے بعد میں بس گئے۔

دہ دھرم نے اسے سلکانے کو روک دیا۔

دہ رخصت ہونے کے بعد میں بس گئے۔

دہ دھرم نے اسے سلکانے کو روک دیا۔

دہ رخصت ہونے کے بعد میں بس گئے۔

دہ دھرم نے اسے سلکانے کو روک دیا۔

اس کی مری ٹانگ تھکی۔ دھرم اس بات پر بھولا ہوا تھا کہ زینہ پر بہت سی چڑیا
کا دوڑا تھا ہوا ہے اسے مار لیکن نہ کوئی ریچھی نہ بے گ۔

مگر اسے خود اور مرثیہ سے بالا نہیں بڑھا تھا۔ اس نے منگلا کے آنسو پونچھے
اسی وقت میڈیسن کی ایسی مشین کو ٹون کر کے اسٹیشننگ طلب کی۔ قاتل نے
الٹی میٹم دے دیا کہ اگر کسی نے دھرم کے ساتھ کوئی پریش کیا تو میرا اس سے وہ
کوئی واسطہ نہیں رکھے گی۔ کوئی بھی سا زندہ یا مگھو کا منگلا کی حق تلفی نہیں ہو
وے گا۔ یہی نہیں، قاتل نے باطل ایک جال سا بن ڈالا وہ آڑھ آڑھ

ٹیکنیٹین، لیبارٹری، ڈوسری بورڈ دھرم کا کام کریں گے وہ ان کے ساتھ کسی
اور کسی صورت میں واسطہ نہیں رکھے گی۔

قاتل کی انڈسٹری میں جو پریش ہے اسے دیکھتے ہوئے کون ایسا تھا جو دھرم
صرت ایک اکیلے پروڈیوسر کی خاطر قاتل سے ہیرا پاتا۔ اگر اسے چھپک آجاتی تو
بروڈویوسر کے ہاتھ پر بھول جاتے بھیر وہ حق پرستی ایک عورت کے جائز حق
کے لئے جنگ برآمد کر دیتی تھی تب تھے اس کی رائے پر فوراً صدا کر دیا۔

دھرم کو انٹی میٹم دے دیا کہ وہ زینہ کو اپنی دونوں ٹیوں میں سے الگ کر
دے۔ دھرم نے وہ الٹی میٹم آٹھار ڈی کی ٹی میں ڈالا اور ڈیڑی آٹھار کھڑکی
سے باہر آٹ ڈی۔

”میں لیبر میوزک کے فلم تیار ہوں گا“

”اور لیبر ڈی لایا ہوگا۔ آڑھ اسٹوڈیو کا اسٹاٹ۔۔۔۔۔“
”وہم میں جا میں میں فلم ان پھروڈوں گا“ دھرم کی آنکھوں میں شیطان ناچ
رہا تھا۔

وہ دھرم کے چاروں کی طرح عملہ کر رہی تھی جادو طر سے اس کا لگا
دینے لگا۔ منگلا حیات تھی وہ دھرم کا لگا۔ دھرم دھرم کے نام کی لوگ تھیں کھایا
کرتے تھے۔ یہی کے ایک طائر پر مرنے کے بل آ رہا۔ لوگ شرمیں لگانے لگے۔
”دھرم تھیں ٹیک دے گا“

”وہ زینہ کو زینہ چھوڑے گا“

”زینہ کی بات نہیں، مرد کی آن کی بات ہے“

ایک تکر ٹینگ کے بیچوں بیچ رکھ کے بڑے اطمینان سے پھیل کر لیٹ گیا۔
اور اسٹریٹ دیکھنے لگا۔

جب وہ قاتل کے گھر پہنچی تو وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

”ارے وہی تم نے کیوں تکلیف کی۔ بس میں آبی رہی تھی۔ کیا ہے
یہ گیٹ جو میری ضرورت پڑی۔“ ڈیڑی بیویوں سا مڑھی بدل کر چینی ہوں۔ پیچھے
جب اس نے منگلا کا اشتہار چہرہ اور ڈیڑی ہوتی انھیں دیکھیں تو اسے
بیڈروم میں لے جا کر دو واڑہ بند کر دیا۔

”دیڑی! اس نے پاس میں کھڑا اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ منگلا اس
کے کندھے پر ہنسنے لگا کہ کرمیٹ پڑی۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ جو شوہر کی ستانی ہوئی بیوی اس کے پاس
اپنا دھرم لے کر آتی تھی۔ لہذا ناخن میں نہیں، زندگی کے سر شے میں اس کے
میں سے پڑ جاتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ لڑ ناخن میں تھپتی پھرتی ہے۔ ان دنوں
بس جگہ جگہ دھرم، منگلا اور زینہ کا ترش لکڑا ہوا تھا۔ اخبار دن میں ڈھکے
چھپے اشارے چل رہے تھے۔

برائے ناموں کی اور بات تھی۔ سبھی بیویاں خضم کی زبانی کے تلوے جاتیں
تھیں۔ روٹی کپڑے کا سوال تھا نا۔

مرد کی شان کا نام میں ہے کہ بھینڈاؤن کے کل کی کل کا منہ دیکھا پھر سے سب
ہی پیڈیوسر ڈاکٹر کی بیویوں کے علاوہ فلمی بیویاں رکھا کرتے ہیں۔ پھر یہ سننے
زمانے کی بیوی بڑا بد چلتی ہے۔ خاص طور پر منگلا جیسی فن کار جو خود اپنی ایک
واضع حیثیت رکھتی ہے۔ سختی کیڑ دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ڈوسری
بیویوں کا بد اشتاؤں کا پیش بھی فلم ناخن میں بہت کم ہوتا جا رہا ہے۔ زور دار
بیوی جو تو کم زور قیام کو مار سکتی ہے۔

عموماً جب اس قسم کا ناخن بن جاتا ہے تو انڈسٹری بڑے سر پر ہمارے
بعد فیصلہ کر دیتے۔ اگر وہ ڈوسری عورت کوئی قیصرے دے دے گی تو اکیچھڑا ہو کر باہر
دوست دباؤ ڈالتے ہیں، ڈوسری میٹر اور دفنا صبر بھی اسے ایسی نرہ سے لے
اہم نہیں سمجھتے، ان کا اڑھی جلتا ہے، لیکن زینہ کی تیری سے بھری تھی۔

وہ اب وہ فلم نہیں بنا سکے گا اس پر دھک کر کے داؤں کے ہاں لگوئے
چراغ جل آئے۔

وہ اسے سب ٹھیک سمجھتا تھا، یہ فلم اندھیری کے چکنے گھڑے ہیں
پر بوند نہیں مٹھتی، کسی دل بے نے کہا۔
مغرب ٹھیک نہ ہو سکا۔

دھرم نے اس رات دفتر کے پیچھے دالے کمرے میں خواب آدرگو لیوں کی
پوری شیشی طعن میں اٹھ لی۔

زندہ صبر کو زندہ نہیں آتی تھی۔ یا خدایا کسی زندگی ہے کسی بات کا بھروسہ
ہی نہیں۔ یہاں کوئی کھری بات نہیں کرتا، اس کی کہانی اور ساتھ میں ڈانڈیشن کی
بات چل رہی تھی، اکل تک راجہ لال اس کے آگے پیچھے چلا رہا تھا۔ آج کلاس
نہیں ہوا۔ آج ہے۔ آج شے کے پیروں میں سب ٹھیک جاتے ہیں، حوا وندے ستر
گڑے تو اس پر سے پھٹتے ہوئے نکلے پٹے جاتے ہیں۔ راجہ لال اس لئے
مسکامار رہا تھا کہ دھرم کے ہاں سے سمہا رہا ہے۔ دھرم آسان سے کڑی پیش
دے سکتا ہے۔ قتلوں پر اپنے والی قلیں متعلق کو آڑ پر بھی پرکتی ہیں۔ اب
دھرم کا تختہ لوٹ گیا تو زندہ صبر رعایت نہ کر پایے گا۔ پہلے زندہ صبر کو منگلا
پریش آ رہا تھا۔ اب دھرم پر غصہ آ رہا تھا۔ سوچا جلد اس کا بھی جی بھائی
وہاں وہ محنت موت کا دوا نہ کھٹکشا رہا تھا۔ اسی وقت بھاگ دوڑ
شروع ہو گئی۔ ایبلیس آئی تو منگلا نے پیر بال کھولے موڑ سے بدو اس آڑ
اور اس کے سر پر دوں سے آنکھیں مل کر اپنی قیمت کو روکنے لگی۔ جیت تک
دھرم کو مرش نہیں آیا۔ موت نہ تھی۔

منگلا اس کے پیروں پر سر رکھے سسکیاں بھرتی رہی۔ ہائے اس کے
اپنے ہی کو اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا۔ اپنی جیت اس کے گھٹے میں دے دی ہے
مچانسی جیسا لگ رہی تھی۔ کچھ خال خال ہے، مٹی جیسی کڑو نہ تھا۔ اس کا کعبہ
بیت لی۔ لائے اس کا دھرم، اس کے جلوہ دیکھو بابا! وہ جس کے ساتھ
میں جیادے اسلے دالے اعلیٰ کے درخت کے نیچے آنکھوں میں ریس بھر کے

پتے دیکھتے تھے جس کی موتوں والی نشہ آور مسکراہٹ اب بھی جی لوڑاؤں تو دل
رہتی ہے۔ وہ ماہ کے پہلے ہفتہ والا رنجی مزارع دوتا، بھیرو رعاش جس نے
مینی سال کی ٹھنڈی ٹھنڈی مائوں میں انگ میں آگ بھڑکا دی تھی۔ آج
موت کی چاہ میں سب کچھ سچ کر مارا ہے۔

جب وہ کچھ نہیں تھا ایک معمولی سسٹم تھا تو ایک ڈانڈیشن نے
اسے بات چٹک دی تھا تو منگلا کی آنکھوں میں خون آ کر آیا تھا۔ وہ اسے
کوس کوس کر آندھنیاتی رہی تھی۔

دھرم نے سن کر تھوڑی دیر کی۔ بس چلے تو اس کا خون پانی جاؤں گا

پراج وندو رکششہ بی اس کا بھائی رہی تھی۔

وہ اگر وہ دوسری پرشورے تو اس کا سہاکی نہرا موت تو نہیں۔ وہ کسی کا بھی

بکر کر رہے زندہ تو رہے

وہ منگلا دھرم نے اسے پیروں کے پاس بیٹھے دیکھا تو بے چین ہو گیا۔

وہ ادھر آؤ گا وہ سسکیاں بھرتی ہوئی اس کے سینے سے لگ گئی۔

وہ مجھے معاف کر دے منگلا۔۔۔۔۔ دھرم نے اس کے آندھنی کر کہا۔

وہ نہیں مارا دوش میرا ہی تھا۔ تم۔۔۔۔۔

وہ میں نے کمین پی کیا منگلا۔ میں بڑا پتہ ہوں گا

وہ میں تم کو بھوسے بھوسے کان پرے کچے ہیں۔ تیار میل نے کہا دوا

منگلا نے اپنے بچاؤ کا راستہ ڈھونڈا۔ وہ تجھ پر نہایت سوار ہو گیا تھا۔ تم تو بھی کوڑ

جیتا سچ میں نہیں لوگوں کی۔ نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا

وہ خواب آدرگوں کا ساحل دبا دیا گیا۔ دھرم کے سر ہاتھ تھی۔ زرنہ ڈھیر

موتوں سے کوئی۔ باکھل منگلا کی موتی جس کی اداں نے مدد نہ بھجا۔ اجینہ یا نہ پیر

ایک تعویذ یا نہ سکتی۔ منگلا اس وقت زندہ صبر کے سامنے ہاتھ جوڑے رو رہی

تھی۔ بدھیتا اترتے تھے معاف نہ کیا توں نہ رہا ہوں گی۔ آگ کے میری زبان

کو جیتا نہ رہی۔ ایسی ہے تاہم کوں مر جاتی ہے وہ مر جکتے رہتی رہی۔

وہ اسے موبائیٹھے میں روٹھاتا ہوں سوچو نے مار تو سی پرک نہیں کروں گا

زندہ رہنے اپنی کوئی آئے وہی بٹ کہا ہی کے یہ کلام یادداشت کی جرمیں منگلا

کر لیا۔ بد مکر و عیو ایک بات صاف ہوئی چاہیے۔ دوسری ہی کی بہت لگائی برقی ہے۔ اب اگر وہ اس ٹیل کو نکالتے ہیں۔ تو ساری انڈسٹری متھ متھ مٹنے لگے اور وہ ہیں سر اور سارا آٹھا سبکی گئے۔ آرٹسٹ کی نواداری بھی تو کڑی چیز ہوتی ہے۔ سیٹ پر ان کی کیا ڈیزائن رہ جاتے گی۔ اب اس بات کو دبانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ سیرہ جڑی پیر وٹن ادا لگائے آپ کے۔ تب ہی انڈسٹری کے منہ چٹا چٹے لگے گا کام بالکل ایسے ہی ہو جائے گا جیسی نلوں میں ہوا کرتا تھا۔

منگھا خاموش رہی۔

”ایک بات اور، آپ نے بالکل جیسی لیا چھوڑ دی ہے۔ اسٹوڈیو آنا بند ہی کر دیا ہے۔ آپ اسی پابندی سے آئیں گے۔ آپ رہیں گی تو صاف کو چین آٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ وعدہ کیجئے کہ آپ بلا غرضی میں گی“

”آؤں گی“ منگھا نے وعدہ کیا۔

”بات بہت جلد گئی۔ وہ نہ اسی کوئی رو کوہ کوہ ٹاف کی رہی نہیں۔ دوسری بہت جلد ہی ہے۔ یہ آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔ آپ نے اس پر دھبہ شہر کیا۔ ہم سب کھانے کے آٹھنے بیٹھنے واسے ہیں۔ نہ بنے ہوئے ہیں۔ اسی کی ڈالی ہے۔ سیٹ پر کوئی نہیں تالا ڈالا کہ نہیں بیٹھتا۔ اور صاحبان سچ کہتا ہوں آپ کے ملنے وہ ہے کیا۔ دھرم کا ٹیٹ آنا ڈاڑھا نہیں“ بغیر اور ایک سے بدوڑا مٹیوٹ اس کے منہ سے نکلتا ہی پانچا اور رنگ بڑے ہی عجیب ہوتی تھی یہی بین مان گئی کہ دھرم پر اس نے ہتھان بکا ہے۔ ہر عورت کے دل کی جیسی جو سکر معاملہ آنا تو نہیں بڑھ گیا تنہا تنہا ہے پانچا بکا کے کسے ڈاڑھا بکا نام کو اس نے دوبارہ سی ساڑھیاں اور ایک فیوڈ سے لاسیٹ تو کو بھجوا دیا۔

جب وہ کھڑکی تو اٹھنے تو رنگ روم میں بیٹھی تھی۔

”بھئیو! اس نے بڑو کی آیت لہا چوں کو اور پرے جاتے رہا ہاں تو اچھی ہیں؟“

”ہاں ہاں“ امینہ کی آواز بھی ہوتی تھی ”ہم لوگ بار بار ہیں“

”وہ کہاں... کیوں؟“

”جیدر آباد... سپر مارکیٹ سے چوڑا۔ وہاں سے یہ انگریز اور

لا کر کچھ کریں گے“

”وہ کیا کہہ رہی ہیں میری کچھ نہیں آ رہا ہے اور زرمینہ...“

منگھا نے مجرموں کی طرح دھچکا۔

”ہاں یہ دیکھئے جن ٹیوٹ ابھی سیدی سے کر آمری ہوں سوئے کی سیٹ ایک ہی مل، آگاہی کے لئے، ہم تو دوسرے بیو کر ہی رات گزار دیں گے، امینہ نے تھوڑا کلاس کے ٹیوٹ بڑے سے نکال کر دکھائے۔

”دیکھو! منگھا نے ٹیوٹ لے لئے“ تو کام نہیں کرنا“

”دیویری، دھرم ہی کے اور آپ کے ہم پر جو احسان ہیں ہم جی بھی تو ان کا بدلہ نہیں چکا ہے۔ مگر اب انڈسٹری میں جو کچھ لیا چھوڑ رہی ہے اسی کو چھینا بھی ممکن نہیں۔ دھرم ہی جیسے شریف انسان کو بھی نہ بھجوا۔ آپ تو تازہ تھی بھلا، میں دھرم ہی پر اعتبار ہے، مگر جہاں کام کرے گی وہاں کون سمجھے اور تم ہے بارود دلا کر زمینیں کس کا منہ بند کریں گی۔ آج آپ کا دل صاف ہے۔ کل آپ کے ہی کوئی کان بھروسے، ہم آپ ہی لوگوں کے بھروسے پر آئے تھے۔ کوئی ناموں، پانچا بھائی ہی ہوتا تو ہمیں شیت تھا، مگر ذرا سوچئے ہمیں زہرہ چوٹی یہ انڈسٹری“

”ارے غلامو! انڈسٹری پر، آئی گئی سب انڈسٹری پر تھوپی جانے لگی۔

”دیکھئے دیکھئے دواؤں کو“

”میرے خیال میں تو بڑے جاگاہی اچھا ہے۔ بڑا ڈنگتا ہے، کوئی لکھ لکھائے تو...“

”ارے بڑو، مجال ہے کسی کی جھلکا کر دے۔ ہتھارے تھی میں نا بھجھ لائے ڈو“

”وہ تو تنہا تنہا تھا کہ مجھ سے یہ گند نہیں سہینا جاتے گا کہتے ہیں ملان دے دوں گا۔ آپ تنہا کیا جانا مان کو بھجھو دوں؟ امینہ نے آنسو پونچھ کر لیا۔

منگھا لاجی بھی بھڑکا۔ اپنی حماقت پر خود کو کوسنے لگی۔

”کوئی جانے کی ضرورت نہیں“ اس نے ٹیوٹ سارا ڈکھینک دیئے۔

”سیٹ اتنے دن سے کھڑا ہوا ہے۔ پانچ سال کا ناشر کیت توڑے

بھاگ گئی، دماغ جل گیا ہے“

”ٹیوٹ بھلائے کی خبر انڈسٹری نے ہاتھوں ہاتھ دیک لی۔

”دیکھئے کھڑے“ پائل بولا۔

رہا۔ دھرم نے تباہ کر بیٹے کے ہونٹ چوم لئے۔

کبھی نشیماں موی مجبورہ کا غم بھلانے میں کامیاب ہو رہا ہے۔

نہیں ہوئے۔ زور زور سے کہنے لگے: "میں سنتا ہوں کہ لاکھا لاکھ سال
 کام و محنت اور دوزخ میں کیا کرتے تھے۔ بدلتا، استوار اور کثرت سے
 کہتے تھے۔ یہ بات بھی اندر سنی نہیں جاتی تھی۔ بہت زان جب دوستوں کے
 ساتھ چھ کھڑا جیتے تو وہ صدمہ اور زخم کو سونے کی گلاب دیا کرتے۔ مگر
 دیکھا کہ۔۔۔ انہیں امین کی کچھ بہت بڑی توجہ دینا پڑا۔ ہاں ہی باقی
 یاد دہری لڑی سپاہی جی ہے۔ یہ بہت کے سامنے چمک رہی ہے۔

دھرم و دین کے اسٹانڈن نے اے کرکرا کر اس کی دنیا دھرم پر جاتے
 چھو کر کی ایسی بات نہ ہونے پاتے کی کو صبر بردار دھن کی ان بن جو جاتے۔
 رہنے کی ماں کی جلدی کو ایک، شاندار زہر بنا لیا گیا۔ موقع بے موقع ان کی عیبت
 کی خدشاں کے ذوق آئے۔ آجندہ اور اس کا زہر امداد سائے کی طرے قریب
 کے ساتھ تھے۔ شے، امداد کا شے کے آؤ کی طرح بجھا رہا تھا۔ اس کا جی ہلکا
 کے سے زہر کے فیض کا عہدہ دے دیا گیا۔ اردو صبا اس کا ایک۔ وصول کیے
 شو شونگ، ان کی تائیں طے کر کے فائدہ اہم محسوس کرنے کا۔ دے آجندہ اچھو کر
 بھوٹے انداز کی کرتا۔ اس پر آجندہ جھومنے کی۔ نوید کو اسے چلنا پڑا ایک
 عجیب چکر پھانسا جاتے اس قسم کی سیاست کو جانے کے طے اور کبھی
 انھیں سب کی گلیاں ہیں۔

ان سب بچوں کے بعد میں نکلا کی ڈیوٹی مل کر تمام تھیں دن میں کیوں بنوں
 کرنا کھانا نا کچھ سے کرنا اپنے ہاتھ سے دوسرے کی پیٹ سنا ہنسنے
 ختم ہوتے ہی سید پرادر گرم کاناں سے کرپٹ پرنا سر - اگر ٹھوگہ - کی تو سب
 ہوجاتے تو اس سارا دن تھینا۔

میں نے اپنا نام زینب کے ہاں برسرِ بیانی کہا ہے۔ مشکلا اسی۔ حیدر زینب
 لکھنؤ اور دہلی۔ وہ صم، مشکلا، زینب اور کیتھین ہیں۔ اب وہ بھوپال میں مقیم ہیں
 رومن میں اہمیت ہوتی۔ اس کے قریب، خوش پلانا، دوسرے اور زینب حسین
 میں آج کے زمانے کی کیتھین کے ساتھ۔ کاروان میں جانا تو مشکلا زینب کے ساتھ ہی جاتی۔

دعویٰ اچھا ہو کر گھب آگیا۔ برآمدے میں خوشی کا ڈھی اور تے تے جوتے دیکھ کر مشک گیا۔ اس نے جوتے اٹھائے۔ جو رنگ روم کی مہل دیوار پر لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے نشان پر اس کی نگاہیں جم گئیں۔
ماہدین منڈی کے جوتے تھے وہ دروازے کے بیچ میں کھڑا رہا۔ منگلا عجیب پر اجلا غلام چڑھا رہا تھا۔ دو نوجوان کی پیش کے بعد بھی آج دونوں اجنبی تھے۔ برٹی عمر خوشی کے وہ بری طرح ٹپکاتا کہ ہوا داخل ہوا۔ دونوں ایک ساتھ پلے اور توں کو آٹھائے اٹھائے دونوں ایک دوسرے کی خوشی میں سما گئے۔ سائیں اچھ گئیں اور ماہدین برے نالو ہو گئے۔ بیٹو اس نے دوسرے کے غنائ صدائے احتیاج مینہ کرنے لگا۔ آ یا سیلو کوئی نے آئی۔ منگلا نے خوشی کو سمیٹ لیا اور اسے دودھ پلانے ساڑھی، دودھ کر کوٹ سے بہت گئی۔ رات کو ایک وقت وہ اسے ابھی بنا ہی دودھ دیتی تھی۔ دھرم نے بلار کے اچھے ہونے۔ کہ کوکھ سے سے نکال لیا۔ اور شہینہ موت کے اودھ کھلے۔ دروازے سے جھانک کر جو کچھ دیکھا وہ دھرم کو ملانے کے لئے کافی تھا۔

کو ہمارے لئے کامیاب تھا۔
 و حرم نے سوئے ہوئے بیلو کو اس کے بلیک رستلا دیا اور اگر ننگلا کے پاس بیٹھ گیا۔ آنجل اٹھا کر اس نے بھوکے بچوں کے شقائق مہر مہنوں کی جنبش دھکی اور سکا اٹھا۔ ننگلا نے سسکی بھرنی اور حرم کو لاپتہ ہو چکا اپنی آنکھوں پر

بیچھی اپنے کے ساتھ ناش بھیلارقی نہ رہے کسی کو نے میں دلک کر سہائی۔

دور پڑا "جب سہا سہائی کو سوئے ہوئے سانپ نے کچر پھینکا اٹھا۔

اس پہرے داری سے شاید کچھ بھی نہیں سمجھ پاتی تھی۔ دوسرے کی برائی تھی
مٹی، بڑے کھجکے میں جوئے بھی بیوی کی شکایتیں جھنجھکی، شش کی آواز سے بعد
مدن گمار کھٹکے لگا، دماغ بچھنے لگا، اٹھس اور پانچوں نے تیل کا کارہا دیا
باہل کچھس کی طرح روندا جھوکران لگا، سبت سے زارہ دھڑا بھٹکا کی قوت

ہیں۔ آمین سینے میں بھڑکی، موت کے دروازوں۔ ہر سہا سہائی

موجب دھت ہوئی تھی تم کوئے کے دے دھسہ مٹے ایک دم سہا

خواب پر کام نہ ہو کر دیا سہا میں، کھائی نہانے کا کھن، لہذا رات کے کچر پھینکا۔

سب نے جنت کھلایا اس نے ایک نہایت خیرہ دور مانا، کی صورت بھی تھی

زیریں بھی موزنی تھی۔ اور اسے ایک نہیں کون تھا تھا۔ کھٹکے بھی نہایت کی

شاید خود کار کشی نہ کرنے کے دہرے اتنی دھت ہے۔ جاتا ہے اس سے توجہ

سے کی، کھل کی سرعت سے ٹھہرنے لگی۔

دھھوئے خواب کی کھائی باہل دھم کی اپنی زندگی کی کھائی تھی۔

کامیاب نظر دھڑک کر کھائی تھی کھائی زندگی کی کھامت سے آتش بڑھا سنے

ایک معمولی سی لڑکی بن جاتی ہے۔ وہ اسے کامیاب ہر دن بناتا ہے۔ اس کی

بیوی دھیان میں آجاتی ہے۔ اور، بالی سب کچھ کر لیتی جاتی ہے۔ ڈانر کھڑکی

طوریہ بھٹکتی ہو جاتا ہے۔ لوگ اسے بھول جاتے ہیں، کھڑکی کھٹے کھٹے خواب

دھڑکے آئے استودریں آتا ہ کوئی اسے نہیں پہچانتا اور دھٹکے دے کر کھال

دیا جاتا ہے۔ دھھچپ کر سستو دھو میں گھس جاتا ہے۔ جبکہ دھان کوئی نہیں۔

گڑس ہوئی زندگی یاد آتی ہے۔ اور وہ آہستہ آہستہ لڑکھاتا ہے۔ اور ایک

پرانا مزدور اسے پہچانتا ہے کہ وہ اپنے ذات، بہت عظیمہ کوڑھڑا تھا۔

نعمت جھنڈوں میں کھل جھنڈی۔ سوائے دھسہ کے اس میں کسی کو کچھ نظر نہ

آتا اور نظم ہر کچھ بہت بڑی طرح نکالام ہوئی۔

نکاحی بھی دھم کو پہل کامیاب ملدہ ہوئی۔ اس کو داریں وہ ایسا ڈرا کر

تھوڑا سا۔ باہل اس پر سب ڈانر کی کھڑکی مردہ اور مفلوج ہو گیا۔ اس کے

ان اسے کھٹو کر دیا دھانا جاتے تھے کہ وہ زندہ ہے مگر اس کا یقین کھٹو نہ تھا۔
نہا۔ وہ ان کھڑکیوں کو ڈانر کی کھڑکی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ گو وہ اب اس کی منشا
کو بھی دفن کر چکا تھا۔

اسے بھگانے کے لئے سب ہی ٹوٹے ٹوٹے کئے۔ دھیرے اس کی طاقات

ایک ایسی عورت سے کروائی جس کے بارے میں کھٹو کر دینے میں جان ڈال تھی

مٹی۔ کھٹو کر دینے میں ہر سال طعم کے کچر میں بھی آتی تھی۔ آسمان کی بھڑکیوں کو بھٹوئے

کے بھٹکے آٹھائی کیوں کے ہٹے پھر کر پھول کی رون کا سامان بن جاتی تھی۔ پیا

بھی ان ہی میں سے ایک تھی۔ اب وہ قہری طوفان کھٹو کر دیتی تھی۔ نام کو غلوں میں کام

لگاتی تھی۔ بیل جول بھی انھیں سے تھا۔ سب کوڑوں کو بھٹانے کے لئے بطور پیشی کھٹا

کی جاتی تھی۔ دھڑا کر آجے گی تو اپنی دھت میں ہی "کو بلائے گی۔ ویسے بھی اس کے

یہاں اس قدر مجمع رہتا ہے کہ وہ اپنی سہیلیوں کو اپنی مدد کے لئے بلاتی رہتی ہے۔

بھرت یا پھر خربش مٹانے عموماً لوگ اسی کے ہاں جمع ہوتے ہیں۔

یہاں سوا فیت کا انبار ہے، اس کے کئی عاشقوں نے، اس فلم میں جولا کھڑکی

کا چہرہ کوئی کیمروہ قابل قبول نہیں دکھایا تھا اور اس کے دلچپ اور بھڑکلاڑیوں پر

سنسنی کھٹو کر دیتی جاتی ہے۔ دھم دھم دھم کے ٹیٹ کی دھماچھوٹی دھکھڑکی آٹھا

اس کی ساری پھوپھوں کھڑکی کھٹو کر دیتی ہے۔ وہ اس کے ٹیٹ میں دن دینا کا نظم

تھکے بھٹوں پر ڈرا۔ دھکی بے دھکی بھٹے لگی تھی۔ کھڑکی کی زینبیل میں اور

بھی بھٹے پوشیدہ تھے کھٹو بھٹک، کھٹو جرس، انیوں ہی کھٹو دھم میں آٹھ کی

مسلل کھٹو کر دیتی تھی۔ دھم کو کام طعم کے کوڑوں کی طرح بھٹو کر دیتی تھی،

کھڑکی مانے ثابت کر دیا کہ یہ ساری ہیں انہیں سے سونا اور مڑا ہوا رہ جاتے وجود

کا ہر کھٹو کر دیتی جاتا۔ کھٹو کر دیتی ہے۔ باقی موت!

کھٹو کر دیتی ہے کھٹو کر دیتی ہے کھٹو کر دیتی ہے کھٹو کر دیتی ہے کھٹو کر دیتی ہے

پیدا اور اس کی سہیلیوں میں جرس اور بھٹک کا پتہ نہ تھا۔ وہ تو اپنی دانست

میں تھی دھو کر نوک سے نکال لاتی تھی۔

قبل کھٹو میں خواب آگے دھو کر دیتی ہے اسے دھٹکے حضور میں لگی۔

زیریں سے وہ بے توجہ بھٹا یا تا دیا گیا تھا۔ اس سے یہ مطلب نہیں کر دھو

و صبر کو تو بہا نہ مل گیا ۔

”بتاؤ یہ نام طریق منورس ہے ، معاہدات کی ساری امیدیں اسی نغم سے وابستہ تھیں ۔ مست زبان بھی باطل تھیں گے ۔ زمین بھی اپنا غم بھولی کر تیار ہو گئی ۔ کچھ کامیڈین کا کام کچھ آرت ڈراما میں زمین کا کام نہیں تھا ۔

نڈا کی ذات دیکھتے ہی اہل سے دھرم نے اپنی قوم سے اس لیے جس سے ہوا ، ممتاز زمین کی قومیں چمکیں ۔ غور تو نہ کیا کیا سب زمینیں ہوتی ، مین نیل کی قیمت ایک دم پورے کے پیو کے ذریعہ پہنچ گئی ۔ پھر اس کی ایک سال میں دودھ کی ٹائیں سیرٹ ہو گئیں ۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ رتی کی قیمت چھوڑ کر دیس اور دیو کی ٹٹا کے پاس آ گیا ۔ اس نے اپنی ذاتی کمپنی کھڑی کر لی اور اپنی قوم کے لئے اور کرنی کر لی زمینیں زمینیں آتے جاتے تھے ۔ اس نے کیشو سے ناک کی ۔ وہ دھرم سے سفارش کرنے کا وعدہ کر کے مال لیا ۔ پھر اسے یاد آ گیا کہ زمین کا عین اہم حق ہونے والا ہے نہ کیا کا شریعت ہر ماہ باندھا جائے ۔

”ابھی کیا بد ہے پانچ سال کا ہے نہ شریعت“

”اکتوبر میں پانچ سال ہو جائیں گے“

”پانچ سال“ اس نے کانٹریٹ دراز میں ڈال دیا ۔ ہاتھ کے اشارے سے کیشو کو مال دیا ۔

”دو یا تین سال“ ابھی کل ہی تو اس نے ٹیکہ لگایا تھا ۔ سو کھی پر پراسن بائیں پٹی تھی تھی ۔ ایک دم زمینیں بولیں کہ کیشو کو سونے کی ۔ اسے ہلا زمین غریب ہوئے گا ۔ بے لڑائی سے وہ ایک آدم میں بٹھنے لگا ۔ بڑی مشکل سے ہاتھ پر سیٹ پر راج ستا سا ساگر ہاتھ ۔ روزانہ اچھے رہتے تھے ۔

”میں بھول لیے ہیں ۔ کیا کوئی ساگر کا مین ہے نہ“ اس نے پتوں کی ٹوکریں لوہے سے جھڑا کر ڈال دیا ۔

”ہی ۔ یہ اب ۔ مست زمین ہوتے ۔

”سہ ماہ“

”ہی ۔ آج مشور کی سہ ماہیات ہے ۔ مینیں رات سب بٹھنے کے ۔

سے نجات مل گئی تھی ۔ بیداری پر ہر وہ تھا جو خوابوں پر دوک ٹوک نہیں جی کر یہ خواب بھی اس کی زندگی کا ماحصل تھے ۔ اگر زمین اس کے خوابوں سے کٹا رہ سکتی کرتی تب ہی تو اس کی بے وفائی کا لڑھکتا ۔ پتا نہ کیل جول کی خبر سنگا پہنچ گئی ۔ دھرم کی فیر حاضر ہوں سے ٹھک کر پھر اس نے پتہ نہ شریعت کر دیا ۔

”وہ کیوں جاتے ہو اس گندی جیوا کے پاؤں“

”وہ بس وقت گزارتا ہے“

”یہاں ہی نہیں ملتا ، وہاں لگ جاتا ہے“

”نہیں وہاں بھی نہیں ملتا ، شنگے سے یہ کچھ پتہ نہیں چلتا“

”آخر ہی کیوں کھڑا ہے“

”پتہ نہیں ، وہ انھوں کی طرح سکرانے لگا ۔ اسے وہ کیوں خواب اور

خوابوں استعمال کرتے دیکھ کر شنگا نے بھی سمجھ آ رہا ۔ کچھ دن بڑی شاندار زندگی پھر ان کا اثر بھی دیکھا ہونے لگا ۔

”پورے ماہ اسے کوئی دھرم نہیں ملتی ۔ مست زبان پرانا باجکوست ڈاکٹر

اس مڑے سے مین جبار ہاتھ کر پورے مڑم میں کوئی میل نہ ہو ۔ جتنی امکان دو دنوں کا

علیحدہ کام بڑی تیزی سے ختم کر دیا ۔ ایک دن چتا کے ہار ٹیکہ بلانوی کوئی تھوڑے

مصل پورے شباب پر بھی ۔ یہاں بے حیائی کا مرقع بھی آؤ گھٹتے ہوئے نہ پایا ۔ کو

جھینڈو خڑنے کی کوشش کر رہی تھی ۔ دھرم باوجود اس شنگا کے بے آگاہ یا ناگاہیا

تھا ۔ جس کی پانی ہو چکی تھی ۔ اس نے جیب سے خواب اور زمین کی کوششیں نکالی

یا خندہ مارا ۔ جہاں گولیاں نہ روت سے زیادہ کیشو دھرم نے انھیں سے کچھ نہ کی

کوشش کی ۔ وہ کل کیشو نے آؤ گھٹا کرنی چتا ہے ۔

”اگر اس وقت کیشو نہ آ جاتا تو دھرم دیکھ کبھی دن ختم ہو جاتی ۔

”زمین کی دلدل کا یارٹ بیل دیکھا ، کیشو نے کہا ۔

”اس کے ہاتھ سے کلاس میٹھ چڑا اور وہ کی ناہن میں جب ہو گئی ۔

جب وہ نہ جاتا تو شنگا پہلے سے موٹو ہو چکی اور زمین کو جیاتی سے شنگا سے

اسے نکلے دے رہی تھی ۔ دھرم نے زمین کے سر پر ہاتھ سے ہاتھ رکھا اور

بے بسی سے داپس مڑ گیا ۔

دھرم کچھ سترار نہیں دیا۔ جسے خرسے کی بات مٹھی کر آئی وہ بڑی دھند
نظم میں دو لکھا بن رہا تھا۔ اور تے یگھوڑت کو بنارٹ یاد رکھا تو اس نے
بوجھل تھہرا اٹھ کر ہاتھ میں تولا۔

وہ بے چارے گھوڑے کے یہاں لایب لاسب نہ سب نے بھر قہقہہ مارا۔۔۔۔۔
بڑا معرے کا سین تھا۔ رندھیر اسے بار بار کھانے کی کوشش کر رہا تھا۔
دھرم کو سوتیلی نہیں آ رہا تھا۔

وہ سب پر پٹیا زور خیر سہن کر رہا تے پاسے کی شرکیاں بگاری بختی۔
پاس ایل بیٹا تھا۔ دھرم کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

دو اور جو بھائی، ابو کیسے مو، دھرم بڑے تپاک سے ملا۔
معد آب کی دعا سے، آج نواب نوب پنج رہے ہیں۔ دھرم سترن ہو گیا۔
دو سترن کمال سے دھن سے زیادہ نود لکھا شرابہ مارے، ایل سترن
دیکھا یہ سترن ضروری ہے، است نزلن ہی، یہ سہرے کی بڑی پکس ہے۔
دو سہرا یاد نہ آنا نہیں ہے، انیسویں کے وقت آنا دیں گے۔ دھرم صوفے

پر ڈال دیا۔

دو اور چھوٹی، درمید نے چٹائی اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، دھرم میں یوں
ست نزلن کی؟ وہ نہیں۔

”دھرم کھانے کا ارادہ ہے کھل جائے گی، رک دے“
دھرم دھیر کے پاس چائے پیئے چلا گیا۔

”دھرم تیار ہے، ری ہرل ادھیک، ست نزلن آج نل پانت لے

ہوتے تھے۔
بھونوں کی بیج پرندہ بہت بہت۔ سترن کے سترن تھی۔ دھرم کا کھیر
ستر کو آنے کا۔ بابک شقان کے سترے حال کے دو چہرے میں اس کی جات بوجھل
ٹھیکس اور نزلن ہوتی ہوش دوا کس پر کی گزرتی تھی۔ ایک نر کا شوت تھا
اس کے بے بھر نواہوں کا دھندلا سا کس۔ وہ بار بار بھول مانا کر دھرم کی گھٹک کر
رہا ہے۔ ست نزلن کا جلتے چلتے ملق شک ہوئی۔ لاش ادن۔ لاشن۔۔۔

.... ری ٹیک کیا قیامت ہے، کوئی مشکل بات نہیں، پس دھن کا
گھونٹ اٹھا کر دھوا کر کتنا ہے۔

دو آنکھیں تو کھو ہو میری بیاں! لاش ادن۔ لاش آت!۔
دو جان تو کھو، کٹ کٹ
دھرم کھٹ تو آنکھیں یہ کٹ۔

دو جان تو کھو کھٹ۔ کٹ کٹ
دو ست نزلن جی۔۔۔۔۔ یہ جان بدل دیجئے، دھرم نے چھ کر کہا۔
دو مطلب جان نکال دوں، ہارے بھائی زہر کو صرا دھو رہے ہیں
نکالو، ایک تھہر چڑا۔

دو تھن، دھرم کو مٹا کر دے، دھرم نے چپکے سے کھنڈرے کہا۔
دو اور کوئی نہیں، ایل ادراں کے بھیر سترن دھرم پیئے ہیں۔ زہر کے
کا ستر کٹ کے لئے آئے تھے؟

دو ان سے کہ دو مہر جاتے گا، کیشریک کر آیا دھرم ٹیک ہے، مہر جاتے گا؟
دو تھنکس، ایل نے اس کا ہاتھ بڑے غلے سے دیا۔
دھرم اب ایٹان رکھو، مہر جاتے گا، کیشور نے اسے باہر کی طوت مہر
ہوئے کہا۔

دو تھنکس تو کیشور صاحب، بہت بہت شکریہ۔ دھرم کی جلدی نہیں۔۔۔۔۔
.... مجھے تو بڑن کے لئے بس پکا کرنا تھا۔

ایل کے جانے کے بعد زراو اس دست ہوئے تو کیمو بھرے کرنے لگا۔
ایل کے پاس آنا دیکھ کر ایل نے بھٹے لگی۔
دھرم کو

دھرم کو مٹا کر دے، دھرم نے چپکے سے کھنڈرے کہا۔
دھرم کو مٹا کر دے، دھرم نے چپکے سے کھنڈرے کہا۔
دھرم کو مٹا کر دے، دھرم نے چپکے سے کھنڈرے کہا۔

دھرم کو مٹا کر دے، دھرم نے چپکے سے کھنڈرے کہا۔
دھرم کو مٹا کر دے، دھرم نے چپکے سے کھنڈرے کہا۔
دھرم کو مٹا کر دے، دھرم نے چپکے سے کھنڈرے کہا۔

وہ اودھ بکری مجھے بڑا افسوس ہے۔ ڈوٹ کا تو سوال ہی نہیں اٹھنا، دونوں
ظہیں سیٹ پر جا رہی ہیں۔ آپ کو بھی خواہ مخواہ تکلیف ہوگی۔

درجی، میں سمجھا نہیں یہ وہ واقعی نہیں تھا۔

وہ آپ دوستی بنا کر لے لیجئے۔ زرینہ کے پاس باکل وقت نہیں ہے۔

وہ معجزین تو مر جاؤں گا۔ دھرم جی میں نے تو بڑی سچی کر لی۔

وہ سو رہی ہیں، میں نے آپ سے کہا تھا یہ دھرم کو جواب ہونے لگا۔

وہ آپ نے کہا تھا جو جلتے گا۔ یہی بات ہے۔ اب۔۔۔۔۔

وہ سو رہی ہیں۔۔۔۔۔ میرے پاس باکل وقت نہیں ہے، اس نے بڑی تیزی

سے کہا اور فون رکھ دیا۔

انہل سستا میں رسید دیکھتا رہا، بھر رکھ دیا۔

وہ مجھے معلوم تھا، زویدی نے تنہی سے سزا کر کہا کہ وہ میں نے کہا بھی تھا مگر

وہ مگر زویدی صاحب انہوں نے مجھ سے کہا۔۔۔۔۔

وہ چار سے نو لاکھ سے۔ یہاں ہاں اندیش، کوئی معنی نہیں رکھتے۔

وہ یہ خوب رہی کامیابی نصیب ہو تو ہماری آپ کی۔۔۔۔۔ اور باقی

رہا الزام وہ انڈسٹری کے مالنے۔ دھرم جی بات سے بچ رہا ہیں۔ اس میں انڈسٹری

کو کیوں دانش لگے۔ خوب۔ واہ یہ اتنے میں کچھ گھٹی ہوئی۔

وہ بلو۔ انہل نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

وہ ذرا انہل صاحب کو جا دیکھتے۔

وہ کون ایذا آنا۔۔۔۔۔ کہنے میں بولی رہا ہوں،

وہ دیکھتے بات آجے ہیں مانی جا بیٹے۔ آپ بے نیکی کیجئے۔۔۔۔۔ سب

ہو جائے گا۔

وہ مگر میں تو پندرہ اکتوبر سے آؤٹ ڈور پر جا رہا ہوں۔ جی۔۔۔۔۔ اچھا چھٹا۔

وہ انہی لڑکی کی تلاش ہے یا اور ایسا ہی کوئی بہانہ یہ اندیش جی اولز

میں بولی۔

ہاں ہاں وہ میں سب ٹھیک کروں گا۔۔۔۔۔ بشکریہ شیخو یہ۔۔۔۔۔ انہل کا

بچہ بلکھا اٹھا۔۔۔۔۔ ہاں زویدی صاحب آپ کہہ دیجئے یہ تو میں جانتا تھا اس

زویدی کو امینہ نے جو کچھ کہا تھا بتا کر پڑایا

وہ نہیں چار سے یہ تو میں باکل نہیں جانتا تھا۔ یا رہی عورتیں بڑی سچی

ہوتی ہیں۔

انہی بات رکھنے کے لئے بے کمانی طے کر کے دھرم نے سیٹ لگوانا شروع

کر دیا۔ زویدی کو دھرم سے ایک بہت بڑا آفر آیا مگر دھرم نے کہا اتنا بڑا کام

وہ کیسے سنبھالے گا۔ کیونکہ مینا کماری والی فلم اسے ہی ڈاکٹر کرنا ہوگی۔ دوسری

پھر سٹوڈنٹ کو دے دی جائے یا زویدی۔

وہ زویدی انہل کے ساتھ پائیر شپ میں ہے۔

دھرم کچھ چار سالہ۔ بھرت کے موقع پر جو اس نے سیٹ کی محنت وہ بھی

دھرم کو بہت پیچھے رہ چکا۔ انہل کی اس میں منگلا کے فن پر بہت ہی شاعرانہ

روشنی ڈالی تھی، حالات زندگی میں اسے اس قدر مہمان نوازی کا سر کیا تھا کہ

معلوم ہوتا تھا دھرم اس کی محنت اور قربانیوں سے اتنا کامیاب ہو ڈیو سرنیٹ

ہے۔ دھرم کو کبھی لوگوں کی طرز کسی کی نصیحت کرنے کی ضرورت تھی اور نہ محنت

اس کی اپنی زندگی اتنی بھر پور رہی تھی کسی مردنگ کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔

مگر اس دن انہل پر کچھ غصے لگا۔ بھجورائے، بہت تھک چکا ہے۔

وہ یاد تو زویدی کو انہل کے سہارے اوپر چڑھا ہے اس لئے۔ زویدی نے

بھی اچھڑا لیا۔

زویدی کا کوئی ذکر نہ تھا۔ بس یہ کہہ ہی میری لڑکی تھک رہی ہے۔ رول ہی رول

ناگھنا ہے۔

وہ انہل کے لئے۔

زویدی بھی اتنے سہارے کا سر نہیں رہی تھی۔ امینہ اون کا گھر بنا رہی تھی۔

انہل کے ہاتھوں ایک انہل سے لپٹی پڑی تھی۔ اس لئے وہ ناراض

ہو کر چلا گیا۔ اب امینہ ہی زویدی کے ساتھ چلی رہی تھی۔ زویدی سے بچھڑ چھاڑ

چلتی رہتی تھی۔ زیادہ تر چاروں ساتھ ہی رہتے تھے۔

زویدی کا ایک سیٹ ہو چکا تھا، مینا کماری مدراس میں ہوئی تھی، اس لئے

زیرِ نثارِ درِ حرم کے ہی کچھ سین ہوئے تھے۔ نیا کارڈی لے لئے شگلا آزاد دے رہی تھی، اس لئے زیرِ نثار نے آغا کو لیا تھا۔ کسکے نام سے و حرم کا خون کھونٹے لگتا تھا۔ یہاں بڑی کے جھگڑے کو اس نے سیاسی رنگ دے کر بات اتنی اچھلائی۔

سیٹ ختم ہوئے تین چاروں گزرے ہوں گے۔ ابھی دوسرے سیٹ کا کچھ طے نہیں ہوا تھا۔ کہانی پر ابھی بہت کام کرنا تھا۔
دو باروریت ہو گئی۔ چلو ہمارا پیشہ چلتے ہیں۔ وہاں ذرا ٹھیک رہے گا۔
و حرم نے اٹکا کر کہا۔

وہاں، میں بھی اپنی گاڑی لے لوں گا، دو تار اور پتے دہلی بھی نہ چل سکے۔
..... بھابی تو پیس لے ہی ہے۔
و وہ تو دس لکھی ہوئی ہیں۔ داس کی نظم کے لئے ریکارڈنگ کرنے ہے۔

و اچھا کب؟

و آج ہی سچے۔

و ارے بھائی تو کچھ کیا تو سمجھتے ہو؟

و امینہ۔

و اس کی طرف سے تم نسبتاً سو بار سے.... "و زیرِ نثار نے آنکھ ماری

وہ اور ہاں تو میں اپنی لے چلیں گے وہاں کچھ لیتا ہے۔
و ذرا بھروسہ۔ "و حرم نے کٹھن کو دراصل ہوتے دیکھ کر کہا۔ ایک دم

سے اس میں جان پر گئی۔

و نہیں ابھی تک آئی ہی نہیں۔

و سارے گیارہ بجے میں اور ابھی تک نہیں آئیں، فون کرو۔ توکل نکال

کر دو دنوں نے شکل شروع کر دیا۔

و کیا، کوئی آٹھنا ہی نہیں۔ اچھے سے ٹولا، مگر لائن تو ٹھیک ہے۔

و اچھا آئیں تو کتنا آج ڈانس رہ چل نہیں۔ اور کٹھن ڈریک سے نو ایک

بیس چار بجے۔ ایک دم وہاں ہی، سارے لئے کچھ چل بولی کیا توڑے جتے نہیں گئے۔

بارہ بجے سلام ہوا نہیں آئیں۔ و حرم کچھ زیادہ پر تیزی سے گلاس پر گلاس ٹال

کر رہا تھا۔

و میں باؤں؟

و وہوں چھوڑو۔ و حرم خود فون کرنے لگا۔ کسی نے اٹھایا توں۔

و یہ کیا تہہ ہے..... ایں.....

و میں صاحب نہیں ہے۔ کوئی آیا بول رہی تھی۔

و نہیں ہیں؟ کہاں گئیں؟

و حرم کو ملامتیں صاحب،

بار بار فون کرنے کے بعد خدا کر کے امینہ علی۔

و ارے کہاں بیٹی تھیں، میں سمجھا کوئی اچھی ڈیٹ نہیں ہو گیا۔

و نہیں، پنجاب۔ جسے سب، امینہ سنی۔

و یہاں ڈانس ڈانسر ہو کر رہا ہے۔ انتظار ہیں۔ یہ پریل کے لئے نہیں آگیا۔

و ارے زیرِ نثار نے تو سچ ہی فرمایا کہ نہ پراسٹ سے پوچھا کہ نہ کچھ کہا کوئی

بہتر پریل نہیں، اس لئے۔

و اچھا پھر، چچی کہاں ہیں؟

و وہ..... اپنی..... کچھ کچھ ہے۔ و ذرا۔

و کچھ ہے؟

و جی، کچھ ہے۔ و حرم نے ٹوٹ کر کہا۔

و یہ کیا جو اس نے لگا رکھی ہے۔ بھلا کیا ہے؟ کیوں نہیں؟

و کچھ تو لیا تھا میں نے۔ و امینہ نے بابت لائی۔

و کس سے پوچھ لیا تھا؟

و زیرِ نثار سے، اس نے کہا اس کی خوشنک تو اب کبھی آکر نہیں آئی۔

و آئیے سے باہر ہو کر و حرم نے انداز میں فرمایا۔ و حرم نے فون بند کر دیا۔

و حرم نے وہاں، کیا سمجھتی ہیں، تو کی سمجھی..... ہوش بھلا کر رہا۔

و وہاں بیٹا ہو کر اٹھا۔

و اماں کیوں زہدوں کے منہ لگ کے اوقات گھومتے ہو.....

و نہیں، و حرم مسلسل گایاں دے کر و حرم نکلے پیر موٹر میں بیٹھے تھے۔

”اماں یار بات تو کرنے دو“ رند میر نے چڑھ کر کہا۔ وہ پانچ انگوٹھا کا نثر بیٹھ
ختم ہو گیا۔
”ہاں۔ اور۔“

دنیا کا نثر بیٹھ سائیں نہیں ہوا؟
”دیکھ سائیں ہوا، دو مہینے کد رہا ہوں، میری کوئی سنتا ہے؟“ سو
جائے گا کیا جلدی ہے۔ وہ اب تپ چلا وہ بھی ٹال رہی تھی۔
”دیکھ تباہوں دھرم عورت ذات پر اتھ نہیں اٹھا“ حالانکہ وہ دو گواکٹر
چار چوٹ کی مار دی کرتا تھا۔ بدلی جی چاہتا تھا نہ توڑ دوں سالی کا۔
”وہ زینہ“ دھرم بانٹا۔

”وہ تو زینہ ہی نہیں“۔ امیر نے کہا کیا نثر بیٹھ جگا تب؟
”کیا نثر بیٹھ....“۔ میں لا نثر بیٹھ نہیں کروں گا“ دھرم نے ات مار کر توڑ
دھرم بیٹھی۔
”تو یہ کچھ....“
”دو گواکٹر دو سال بچ کر....“ شیلت کو دو۔ ہاں، شیلت۔ ہاں۔ وہ کھڑا ہو
کر جھونٹے گا۔

”وہ نہیں، ہم کوئی دوسری لڑکی....“۔ رند میر بولا۔
”وہ نہیں.... کوئی دوسری عیسوی نہیں۔ بس“ اس نے گلاس ڈور سے
دور پر بار۔
”اور تباہی کا نثر بیٹھ، رحل.... نہیں.... سب ہی کا نثر بیٹھ
ہو گئے ہیں کئی تو نہ کہا ٹال رہی تھی۔
”اپنی کبھی ہے کا نثر بیٹھ کیا عورت ہے؟“ دھرم جی کا حکم.... سہز
حکم کی کپی۔

”وہ نہیں کہ اسے اس کے ساتھ کام سونے پچھے“۔ وہ کینٹر پرس پڑا اس
نے فائیل کے پڑے کوڑے اور مین پر سر رکھ کر کچکیوں سے روٹنے لگا۔ نثر میں
آفسو ہے تالو پر جاتے ہیں۔ اور میں بات کی دس سوار مر جاتے بس سوار رہتی ہے۔
”وہ نہیں۔ نہیں۔ نہیں“۔ وہ رات دھرم پر قیامت کی گڑی۔ محبت اور لغت

”وہ تم نہیں جاؤ گے“

”وہ کیوں؟“
”ارے وہ ذلیل ہیں، تمہاری پوزیشن خراب ہوتی ہے۔ پتو، میں مابا بولا۔“
رند میر اسے بھی اٹھا کر خود روانہ ہو گیا۔ دھرم بیل پر غصہ آتا رہے گا۔ وہ اس کی
پتی تو نہ تھی، اور نہ مجھو بہتی جو اس کے نچرے سے تھی۔ پٹ کے کسی کو ڈسنے لگی پتیلار
ہر کردہ کمرے میں ٹپل رہا تھا۔ یہ سب اسی کسی کتابت امیر نے اسے دے دیا ہے۔
اس میں آنا دم نہیں.... وہ تو خود اتنی مہیجی ہے۔ اتنی معلوم۔ یہ جو کچھ
اس کی بان کو لگ گئی ہیں، مان غریب شلیک تھی، یہ تو بایں ہیں۔ رند میر کو کھٹے
ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا۔

جی نہ مانا توں کیا رند میر نے ہی اٹھا یا۔
”وہ ارے مجھے کیا کر رہے ہو؟“ نے کیوں نہیں؟
”وہ آکر ہاوں؟“ رند میر کی آواز مری ہوئی سی ہو رہی تھی۔
”وہ تو آؤ نا، دن ہی دن میں روانہ ہو جائیں گے، پھیرات ہو گئی لوگھاٹ
چڑھنے میں یہ عیبیت ہو گی۔ اور ہاں رند میر سے کہا چوڑی دار ساتھ لے چلے
پھر نے میں مزہ رہے گا۔ جلدی آؤ گا۔“
”اٹھا“۔ رند میر بھی ہوئی آواز میں بولا۔

”وہ کھٹے بعد رند میر آتا تو معلوم ہوتا تھا کسی نے عرنی نچر لیا ہے۔
”اتنی درنگی جا کر یہ کچھ ہی رہے“۔ وہ دروازے کی طرف رند میر کو
ڈھونڈنے لگا۔ وہ کہاں ہے، سامان و تیرہ وہ بے تالی سے بولا
”وہ تباہ ہیں؟“ رند میر اپنے کا پیسہ تو چھپتا بیٹھ گیا۔
”وہ نہیں آئی؟“ دھرم کا چہرہ سرخ آنکھ رہا ہو گیا۔
رند میر نے صرف سوئی سگائی دی۔ ”اماں کچھ بستی کی بھی خبر ہے؟“

”وہ کہاں رہتے ہو؟“
”وہ کیشو....“۔ کیشو انکھیں جھکا کے اندر آیا۔ یا سہر اٹھاری
کھڑا تھا۔
”انہوں؟“ دھرم چوڑی روہم پوچھتے ہیں ساتھ کیوں نہیں جیتے آتے؟

میں بال برابر کا بھی ناصد نہیں۔ کہاں محنت ختم ہو کر نفرت شروع ہوتی ہے کچھ پتہ نہیں چلتا محنت کی جڑ متنی گہری ہوتی ہے۔ اتنی ہی شدت نفرت میں ہوتی ہے کہ نفرت کرنے والا مجسم ہو جاتا ہے۔ مہ العنت پر کسی بازور نہ نفرت پر۔

رندھرنے اسے ایک بل کو تھما ڈھوڑا، آج یہ پی پی کی کوم توڑ رہے گا۔ صابری رات باہمی لے آب کی طرح تڑپا رہا، سسکتا رہا۔ بل مگر آٹھ دو لگ جاتی مگر آپس میں تڑپیں۔ ذرا جوش آنا اور پھر وہ اس جوش کو شراب میں ڈبوئے لگتا۔ دو قم جوئے ہو، مجھے ستنے کو جھوٹ بول رہے ہو۔ تم صابری نیت اس کی طرف سے شراب ہے۔ تم ہمیشہ تجھ سے ملتے رہے۔ اسے میرے خلاف جھوٹا رہے۔

رندھرنے اپنی دونوں پیو کی ادوا کی تئیں کھا لاسی ہے گناہی کا غوثیہ۔ وہ میں نے اسے بڑی نظر سے دیکھا ہر تویں امان پر ہی بد نگاہ ڈال ہوا۔ اس کی ماں کو مرے ہوئے چودہ سال ہو گئے تھے، اپنی بہن کے ساتھ بدشعلی کی ہوئی گئی تھی۔ آپ کا سر سفید ہو چکا تھا اس پر بھی شراب چڑھی جیسی تھی۔

”ایز نے اسے کرے میں قید کر دیا ہے“ وہ رندھرنے کو بے منتظر ثابت کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح اس کی کچلی موٹی انا کو تعزیت پہنچتی تھی۔ رندھرنے لاچار سے جھوٹ ہے۔ ظالم دنیا اس کے مثبتوں سے پرور رہے۔ وہ بے کس ہے بے وفا نہیں۔ اس نے ٹھکرایا نہیں۔

جب شکار نے یہ رو داؤ سنی، اپنے ریزہ ریزہ جی دیو کو مایہ میری باہنوں میں سمیٹنے نہیں آئی۔ اس کی ساری دقتوں کا دلیر بل گیا۔ اب دھرم دیو محفوظ ہو گیا خط و آپس اسے شکار کر چلائی۔ چوری کا کھٹکا ختم، تیار ہے سکون دل و دماغ کو لیجئے والا۔ سب ہی اس پر ہنس رہے تھے۔ جو کل تک اس پر رشک کر رہے تھے آج بغلن بجا رہے تھے۔ ایک میری بے دے عاشق کا دل ٹوٹا غائب ہوا۔

شکار کی نگاہوں کے طعنے جھیننے کی اس میں سکت نہ تھی۔ وہ دیکھا کی باہنوں میں جا گیا۔ دیا جو اس سمجھوتے سے دھیر جانا نہ کھڑی تھی۔ اسے دھڑکا سے بھڑکی تھی نہ رندھرنے سے کوئی فکر۔ اس کا کام تھا کہ لوں کو سنبھالنا، وٹھے ہوئے نروں

کو روڑا، سکڑو دھرم کے ذرات جوڑے جانے کی حدوں کو پار کر کے خاردار کر پائیں بن گئے تھے۔

جیسے کسی مال دار مٹوے کو بنیام آنے لگتے ہیں۔ اس طرح نلام سناٹے کی امید اور پیاں اس پر ٹوٹ پڑیں۔ رندھرنے کے عیب اور اس کے گنوں کی تفصیل سن کر اس کے کان پھڑپھڑا گئے۔ اس کے کانوں نے ترویدی کے جھوٹے ڈانٹر بکشن اور اینٹن کی کدیت پر رندھرنے کی کچھن کچھن اداکاری کے چرچے بھی سنے۔ رندھرنے کیا سمجھا، کون سی اس بدشعلی کو شری سارڈا اسٹوڈیو پہنچ گئی۔

اسے یقین تھا کہ رب وہ اسے ہاند لگائے تو اس کا بدن جھٹکنا اسنے گا اور وہ خزاں ریدہ تھے کی طرح کاس کی آغوش میں ٹپک جائے گی۔ تب وہ سرینیتان کران پھجھوڑے سے لوڈوں پر ایک تہققد لگائے گا اور اپنے چاند کو سب کے سامنے سمیٹ کر لے آئے گا۔

موجب اس نے رندھرنے کے شانے پر ہاند رکھا تو وہ یوں اجنبیوں میں دھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگی جیسے کہ جیتی ہو دو کون ہیں جی آپ؟

”چاندنی، ایلو....“ اس نے پارکا نام لے کر کاشی کو جھکا دیا۔ وہ شرمگاہ کر رہی ہوں۔ اس نے رکھا لی سے کندھا جھٹک دیا اور مڑ کر ایک اپ درست کرنے لگی۔

”دو چاند....“ دھرم نے سسکی بھری۔ رندھرنے اور دھرم دیکھتے ہی کسی نے یہ اوتھنا نہ خطاب سنا تو نہیں سب دوسری طرف مڑ کر ہو گئے۔

”دو دلو، میں تمہیں لینے آیا ہوں“ رندھرنے نے نہیں سنا۔ آئینہ ایک اپ میں کو پھلایا اور مقررہ جگہ چاک کے نشان پر کھڑکی ہو گئی۔

”دو ڈیڈی“ اس نے موتیوں کی ٹڑی بھیر دی۔ اینٹل بڑی تعزیت سے مسکرایا۔

”دو آئی لاش“ ترویدی نے آدازدی جیسے دھرم کسی کو نظر نہ آ رہا ہو۔ دھرم کے دماغ میں ایک دم شعلہ سا پکا اس نے رندھرنے کا ہاند مڑ

کرکھینٹا۔

درد آہ از ریزہ دوسری ہو گئی۔

اور پھر طوفان بھٹ پڑا۔ اہل نے پیچھے سے دھرم کی گردن میں کبھی اڑا کر بیٹھیں گھٹنا مارا۔ وہ اونڈھے سڑکرا کر پھر تڑپ کر اٹھا۔ ہزاروں ہاتھوں نے اسے دبوچ لیا۔ منہ سے پتے کی طرح ہاتھ پاؤں پھلانا وہ دروازے کے باہر لے جایا گیا۔ وہ پھر ہاتھوں کی کڑت سے نکل کر جھلا گئی ہاتھوں کی نگاہ دیکھتی ہو گئی۔ اسے ایک دفتر میں بند کر کے لوگ جگہ جگہ فون کرنے دوڑے۔ دھرم نے دفتر کا سا لاسا مان چھوچھو کر ڈالا۔ دھرم اور کشتہ ڈاکو کڑے آئے۔ کیونکہ انہیں اطلاع ملی کہ طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ ڈاکو سڑے پھڑو دھکاو کر اسے انچکش دیا اور وہ بے بس ہو گیا۔

جب آسے موٹر میں ڈال کر لے جا رہے تھے تو زینہ چاک کے نشان پر کھڑی تو پھر رہی تھی۔
نہ شیک ہے ناتریدی ہی پا۔

جب انچکش کا اثر دھرم کو دھرم کو ہوش آ یا تو اس نے آری بارغوش کی ناکام کوشش کی۔ سب چونکے تھے۔ اس نے کوشش خاک میں مل گئی اس کے چند سڑدوست عموماً کی طرح دن رات اس کے ساتھ لگے رہتے۔ منگلا نے نہایت بے بسی سے اس کی تیار داری کی۔

دو کباب دکھاؤ والا ٹیکسٹ کی دہرے تھا؟ اسے کسی طرح یقین نہ آتا۔ لاش اس شخص وہ صرت ایک مارا سے مل جاتے۔

وہ چاند کی آہ اس کی تھوڑی آٹھا کر پچھے ۴ اور اس کی آنکھوں میں اپنا جواب پائے کا پھر مگر مجبورہ اس سے منے کی تنہا نہیں کرے گا۔ وہ اس جواب کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنا لے گا۔

اسے معلوم بھی نہ تھا منگلا تیسری ماراں نہیں داتی تھی۔ ایک دم اسے جان کے تصور سے اس کے مرہ جسم میں جان آگئی۔ وہ پلار سے اس لوٹ کر دنیا میں پہنچ گیا اس باجیل برآ کلیف دہ تھا۔ اور سے میان ہوئی گے درسیان جو اہلیت حاکم ہو گئی تھی۔ بڑی دم گھوٹنے والی تھی۔

بدول اور بیدار منگلا سے پھر انکھیں جا کر نایا قیامت خیز تھا۔ مگر دھرم ہلکا ہندی تھا اس نے ایک دم شراب چھوڑ دی۔ معافیوں مانگنے کا دقت گزر چکا تھا۔

وہ وہ تو خیر نہیں مہرے تم تو ہر شے میں یقین، تمہارے جو کمینہ ہیں کیا۔ جب تک
کاٹھریکھ تھا ندھی لکھا تھا رہیں۔ اور جیسے ہی مولیٰ بلا پر پہنچا نے گھبرا۔ ورم
جی کے احسانوں کا یہی بدلہ ہے؟
وہ احسان؟

وہ اور نہیں تو کیا، وہ نہ لاتے تو لڈھڑی میں نہ دھسنے بھی نہ پاتیں؟
وہ اچھا ہی ہوتا، مگر ورم جی کے احسانوں کا بدلہ شاید اس جہنم میں تو اترا
نہیں سکتا۔ مگر کسی آپ نے یہ سوچا ہے کہ زرنہ نے پانچ سال بے چون و چرا
ندھی تنخواہ میرا کام کیا ہے۔ لوگوں نے بہت شہ دی مگر ہم نے کہا نہیں، ہم مگر
نہیں مگر کاٹھریکھ ہے وہ مجاہدین گے۔ پھر میری جو کام اسے باہر ملا اس میں ادا
کینی کا کینہ نے زرنہ سے گنا رو میرا کیا یا اور پھر میری احسان سر پر ہوا رہا۔
انہی کی بچہ کر کے لئے پہلے ہاں کہہ دیا پھر صفات مگر تمہارے؟ امینہ کی آواز بھرا گئی
زرنہ صبر ثانی ہو کر نہیں جھانسنے لگا۔

وہ بے زبان ہے۔ ناقربہ کا مہرے۔ آپ لوگ اس کے سر پر چڑھ بیٹھے،
تمہارے کہنے زرنہ میری، کیا اس نے میری دنی کی پوری قیمت ادا نہیں کی،
ابھی کچھ اور باقی ہے؟ امینہ دھاروں دھار روئے گی۔
مگر جی محبت میں انسان اٹھا ہوا جاتا ہے؟

وہ رات بے خواب رہا تھا۔ ان دنوں، اس نے بدیزہ کی بیس نہ جاننے کیا کہہ
درمگر بھگتا ہے بار؟

وہ میں وہی ڈور تو کاٹ لیا تھا مہرے؟

وہ اندھوہ انکار کر دے تو؟
وہ آدھے سے زیادہ کام کر کے انکار نہیں کر سکتی۔ میری بچہ تو کسی کو نہا ہی پڑی۔
وہ نہ وہ کہیں کام نہ کر سکتی؟

وہ یہ تو چھیک ہے..... مگر بھائی سے تو پوچھنا چاہیے؟
وہ نہیں میں اس سے اجازت نہیں لوں گا۔ نہ کوئی وعدہ دے دیکھوں گا
زرنہ میری باریک سی بات ہے شاید کچھ نہ سکوں، مجھے اپنے اہلخانہ کے لئے...
..... اس خیریت سے گزارنا ہوا۔ زرنہ یہ دنیا میں کبھی کچھ نہ کر سکتی تھی؟

میاں کمار میاں سے داسی آئی تو سوت سار تھا۔ جب ڈراما میں شہر
ہوئے تو ورم کے آٹھ بول میں پھرین کا راجا، اختصار، نظم اور شکلا کے سوا وہ ب
کچھ نہیں لکھا ایک ماہ میرا ورم دیوین کیا۔ اس کے چاہنے والے کے کچھ گھرے
کی طرح اس کی حفاظت کرتے۔ زرنہ کی تمام تصویریں آٹا کر رکھ چھاپ دیں۔ اس کا نام
لیٹا بھی تو ہم میں کیا۔
زرنہ کو اپنے سینے ڈاکٹر کی ٹری نکال دی ہوئی تھی۔ نیٹری کی کٹا کٹا
تھی۔ تاکہ زرنہ کی جگہ سائین کر لیا جائے۔ اس نے ورم کو دو چار تصویریں دکھا
کر رائے لی۔

دو کس رول کے لئے؟

وہ دیکھ کے لئے؟

وہ مگر وہ تو زرنہ کرے گی؟ ورم نے بڑی سادگی سے کہا مگر زرنہ کا
دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اسے احمقوں کی طرح دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر
کوئی وحشت کے آثار نہ تھے۔

وہ بار نظر آئے..... میرے خیال میں تو؟

وہ اتنی ٹھونک ہو چکی ہے۔ میرے خیال میں تو اب زیادہ کام نہیں۔ دنیا
کے نئے سہین رکھے گئے تو میری صورت نہیں پڑے گی؟
وہ مگر؟ اسے اتنی بھڑکائی کی بات کر کے دیکھ کر ورم کے اداں خفا
ہوئے جا رہے تھے۔

وہ اندھ؟ ورم بڑی صحت مند نہی نہا۔ وہ اچھا زرنہ میرا تو کیا میں

متعین سچ یا گل لگتا ہوں؟

وہ بار پالگوں کے اور کیا سہیگ مرتے ہیں؟

ہیں، بس اس دن سے راتوں کی نیند حرام ہوئی ہے۔ ڈر کے مارے رات کھانے

گھر میں بھی نہیں سوتے؟

ڈر کس بات کا؟

وہ زرنہ میری نظم اندھڑی ہے یہاں کیا نہیں ہو رہا؟ اس دن جو حرکت آہوں

کے لئے؟.....

”میں سمجھتا ہوں دوست، غلامتیں نظر بد سے بچائے اور....“ ابراہیم بھر کر کیا۔

پھر بھی زید میرے منگلا سے رلے لےنا ضروری سمجھا۔

”دھٹک ہے“ اس نے سیات لہجے میں کہا۔

”وہ میں نے بہت کہا کیوں بات کو تبصرے سے آٹھا یا جھلے؟“

”وہ اب وہ بات نہ ہوگی، یہ منگلا پھر وہی سے مسکرائی، میں اس چمکداری سے اوبھ گئی ہوں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کہاں تک ان کے پیروں کی بیری بھی بٹو دل چھو رہا ہے، کسی بات کی پرواہ نہیں ہوتی۔“

”اس کے بعد زید میرا منہ کے پاس گیا، وہ چپ ہو گئی۔“

”وہ کیا سوچ رہی ہو؟“

”وہی سوچ رہی ہوں کہ کیا سوچوں؟ امانتیں تو ادراہت تھی، ہم دوسری

عزت ہے منگلا سے، زید میرے پیادہ سے؟“

”زید میرا جواب ہو گیا۔“

”صاف کیوں نہیں کہتے ذرا اب میں طبیعت کے پوری حرم سمجھنا چاہتے ہیں۔“

”گھر میں سستی سا دوسری، اندھیرے آجائے کوئی بے کس لاچار، ہر جہت کے لئے زیدی کا کونٹا؟“

”تو تو کیوں کے کسی کان کترتی ہو۔ لاٹریٹ تھا تو بھول کر سر کی ہوئی تھی؟“

”وہ بندھا مار لکھا ہے، آزاد ہو کر کسی کوٹیاں ڈانے کا شوق نہیں ہوتا؟“

”وہ ایسی عزت پیاری تھی تو ظلم لائق میں کیوں آئی تھیں گھر میں بیٹی ہوئیں۔“

”زید میرا لگا؟“

”آپ کو معلوم نہیں کہ اس کا کچھ کرتا ہے وہ کیوں کرتا ہے۔ اب آ کے

اتصال کے بعد کم لاوارث رہ گئے، اب اس نے ہم تہی کی تو جلدی جلدی ٹھاریاں

کردیں، یہ سب نے چھوٹی رہ گئی۔ اب اس نے بڑے جاؤ سے اسے ناچ بٹھوایا تھا۔

پانچ برس کی عمر سے اسے ایسی پرچاش ملنے لگی۔ اب اس کے بعد اس کی کمائی یہیم

وال روٹی چلاتے رہے، جینکے ٹوکس نام ملا تو زید اور سہارا ہوا جب دھرم میں

نے آفریقا تو ہم اسے خوش قسمتی سمجھے اس کیسے میں کوئی فکر کی بات نہیں، سب

ہی شریف لوگ میں بھڑک آپ تو جانتے ہیں جیسی تشریف کا ثبوت دیا ہے۔“

غصے سے اس کی آواز گھٹ گئی۔ ”وہ خبر کو نصیب میں تھا وہ تو بھگتا اب بتائیے

کیا ایسی کوئی صورت نہیں نکلی سکتی کہ زید زینہ کے کام چل جائے، کچھ کاٹ چھانٹ

کر کے؟“

”وہ جیسا کہ کیا کہنے میں وہ دن بھول گئیں جب روٹی بڑھانے کے لئے مسکا

دیا جاتا تھا، آج روٹی کاٹنے کا معاملہ ہے۔“

”وقت وقت کی بات ہے، اب اسے؟“

”بڑی تھک تھک کے بعد بڑا روٹی کاٹنے کی خوشی کی جائے گی، امینہ بہن

کی ہر سے داری کر کے کی سیٹ پر جانے گی، کام کر کے لوٹ آئے گی۔“

”وہ ایک شیطا ہے؟ زید میرے کہا۔“

”وہ وہ کیا؟“

”زید زید کو دھرم سے معافی مانگنی پڑے گی؟ یہ بڑا زید میرے کلاں۔“

”دو خوب، اب چور کو ال کوٹاٹنے؟ امینہ تھی سے ہنسی۔“

”امینہ؟“

”فرماتے؟“

”وہ کیا تم کھا کر کہہ سکتی ہو کہ سا تھو دھرم کا ہے؟“

”وہ دھرم جی معلوم کرتے تھے؟“

”وہ اور فقاری بہن جی معلوم تھی، کیوں آؤ نہ انے کی خوش کرتی ہو؟“

”ارہ،“ امینہ نے چن چن کر کہا۔ ”زید کو اپنی جیت پر بڑی مست ہوئی؟“

”زید میری....“ جب یہ ناچ سیکھا کرتی تھی اور کوئی نوٹس بریں کی تھی تب وہ

لعون مارنا کافی اوجھڑا اس کی نادانی سے ناچار ناگوار اٹھانا تھا۔ یہ غوی

آئے بھی کھا لایک حصہ جیتی تھی۔ آت سوچی میں تو بھیر مڑ کو آنے لگتا ہے۔

”زید میری یہ کسی ہوئی تو چہا، جب تھک باری سمورتی ہوئی تو تھی لڑائی لگے

خداوند جی تھی، وہ تو ایک ذرا بھلا روٹی کے منہ جھابا اور ساری روٹیاں جب

چاپ تھریٹ رہی۔ ایسی بات منہ سے نکال کر خود بخود جاتے۔ یہ جیش کی بہن

بھی تھی ہوئی تو کم کم ہے۔ اس نے اچھٹک کا آب حصہ سمجھ کر کہا کہیں کسی سے

رات مجھے تک دھرم کے کمرے میں لوگ جمع رہتے تھے دوسرے ولایت
 پہنچتی تھی۔ اس نے شکار کا بیڑہم بچوں کی نرسری سے لا ہوا بالائی منزل پر
 مقابہ کبھی وہ دھرم کے کمرے کا چکر لگا جاتی کرنا کسی کو کچھ ضرورت ہو، کبھی
 دوستوں سے جلدی شکار کا بل جانا یا سب کے سب کسی منعت کی پارٹی میں چلے
 جاتے اور وہ اکہلا رہ جاتا۔ کہونکو وہ بیٹے چالے کی غفلتوں سے دو در رہنا جانتا
 تھا تو وہ شکار کے کمرے میں چلا جاتا، اگر وہ سوچی چوکی کو جگانا مناسب سمجھ کر
 ٹوٹ آتا۔ یا وہ ہی کچھ موٹیں نہ ہوتی اور مال دیتی۔ وہ فرماں بردار شہر کی طرح
 ٹٹ جاتا۔

انجینئر جرحی گئی ضرورت کبھی گئی۔

عورت سونکڑن کا پانی پی کے پھرے سترتی بننا چاہے تو نہیں بیٹھتی۔
 مگر مرد کا کچھ نہیں بچتا۔ وہ تو ڈوتا ہے۔ بیوی پھر اس کی پوجا پاٹ شروع
 کر دیتی ہے۔ شاید پوجا کرنے جتنی ہو۔ مگر ویسی وہاں عزت کی موت ہو جاتی ہے۔
 عورت کو وہ حکم ہوتی ہے، شوہر سے روٹی کھا دیتا ہے، "اس نے تمہارا
 بن جاتی ہے عجیب خصلت ہے عورت کی جب اس کا جتنی اسے چھوڑ کر دوسری
 کا ہو رہتا ہے۔ پتہ نہیں یہ وہ اس کی چاہ میں کرتی ہے یا اس کا سوسوڑ کھانے
 کے لئے اور دھرم ہوتی ہے۔

اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ دل سے اسے کبھی معاف نہیں کرتی۔ اگر وہ
 دوسری عورت کو چھوڑ کر دوسری آجائے تو وہ اسے اس کا فرض سمجھتی ہے اور اگر
 عورت ٹھکرا دے تو پھر وہ اسے قطعی ناکارہ اور فغول انسان سمجھنے لگتی ہے۔
 اس کی ناک چوٹی کو ٹکات نہیں کئی کمر دران جھیلوں سے آزاد ہوتا ہے، پس اس
 کی وقت بے وقت کر کر کے پرانی رہتی ہے۔
 منہ... ہنس ہنسی میں اسے چھوٹے چھوٹے شہر پہنچا کر کرتی۔ جان بوجھ
 یں کی شہر، دھورت اور فطانت کی تعریفیں کرتی۔ اس کی فہم نہی پر کھینچنے
 لگتی۔ اسے زمین کے لئے پہنچا دے موزوں ثابت کرتی۔
 انیل کتنا بھلا ہے، کتنا بھلا ہے۔ شکار کی تہی عزت کرتا ہے۔ اس کا

ایک ایک رجا طمع کر کے رکھ چھوڑا ہے۔

یہ بات نہیں جتنی کہ دھرم کو رکھ آتا تھا، وہ ہر شکار کی ماں میں ہاں ملتا
 وہ کیا نفاٹ خوشگام ہو جاتی ہے۔ نہیں کہ نہیںوں رسی ہر مل جاتی ہے
 ہیں، "وہ بڑے حسن خیز انداز میں شکاری، ہنسا مکر ہونے لگتی۔

مدر زمین کی ساری سیکڑی ختم، انیل بائبل لفظ نہیں دیتا۔ وہی مسک
 ٹپکتے جاتی ہے انیل کے۔ وہ پتیار کچھ بہت ہی مانتا ہے، پس اتنا سامنے
 نکل آتا ہے۔ مجھے تو انیل بھلا پتیار کو کشتی ہوگی۔ بری وہ جبر سے ہر جگہ کثرت
 پڑتی ہے، "دھرم کھیتی کی ہنسی سے سب جھپٹتا رہتا۔ اس پر وہ اور شکار
 ہنسی۔ لوگ کوئی مذکر کے سرکنا شروع کر دیتے، آخری مانتا کی کے ساتھ وہ بھی
 اٹھ کر اپنے کمرے میں جلی جاتی کبھی تو دھرم کو اس معلوم ہوتا وہ صرف اس کے
 طاقتوں کو تتر بتر کرنے کی آبی تھی۔ سب یقین ہو گیا کہ سب جا رہے ہیں تو چل دی۔۔۔
 ناکارہ تنہا رہ جاتے۔

مداس میں فکر شروع ہوئی تو دھرم کی جان میں بان آئی۔ وہاں بیٹہ کا ہر
 قابل ذکر فن کار کوئی نہ کوئی طریقہ نکال کر بیچ جاتا۔ مداس کی کلیں جو بیٹوں کی
 ادا کاروں کو لے کر بنائی گئی تھیں۔ وہ جن کو کامیاب ہوتی پھر متواتر تلاب چھنے
 لگیں۔ فدا آمیزوں نے نہایت بے رحمی سے خوشی ادا کاروں کو نظر انداز کر کے
 بیٹی کے نکلا شہر اور شہر کو ڈاکر کو مذمت مانگے دایوں پر سے کرپٹ کلیں بنانی
 شروع کر دیں۔ کبھی پھر کی تھا کر کرٹ مداس کی طرف مڑتی۔ دھرم نے بھی دو
 کاغذ کوٹ کٹے تھے، کچھ دھرم مداس سے معاوضہ زیادہ اور وقت پر تھا تھا۔ بیٹی
 کی طرح قسطوں پر کلیں نہیں بیٹیں۔ بیٹی میں چند پروڈیوسروں کو چھوڑ کر زیادہ بڑھتی
 ہو کر دی ہوئی شہروں سے نہیں بناتے ہیں اور اکثر نقل کو پرانی مانگتے ہیں یعنی
 پیسے فلم کی ریزہ پر ہیں گئے۔ اگر مداس کے پروڈیوسر میدان میں آجائے تو بیٹی
 کے نکلا شہر بھگے رہ جاتے۔ جیسے زیادہ تر پروڈیوسر کوٹ کے کچھ بھی حال ان کا ہو
 کھم از کو دھرم کو کچھ ہرے مداس نے زندگی بخش دی۔ یاد لوگ وہاں
 اندک کا اکھاڑا کاجی بھرے واقفیت دیتے ہیں۔ بیویوں اور دانشناؤں کی روک
 ٹوک سے وقتی طور پر جان بچ جاتی ہے۔ ٹھکانے اپنی نخوت کے نشے ہو کر بڑ
 ہو کر اسے نگاہ باز آتا تھا۔ وہاں پھر سے شراب شروع ہو گئی۔ یہ جیہ فہم کی

روٹیوں نے اس لاکھ یا ہوا تھا وہاں پر بخش دیا۔ وہ اس کے پیچھے جاکر نہیں
مردانگی کی بھی تامل ہو گئی۔

دھرم اگر چاہتا تو درود سکھاتا اور لوگوں کی طرح اپنی اچھٹک کی آمدنی پر
بہادری کر سکتا تھا۔ بڑے فلاحی کارکن اور اس میں بھی خاصی حکومت جیتی ہے۔
وہ اپنی مرضی کی سیر، میز، کمر، کپڑے، گیت، نگار، اندھ لیکھ کی فرائض
کر سکتا ہے۔ چاہے تو اپنی ہی ہند کے دوسرے آرٹ بھی لے۔ جیسے وہ دوسری
ڈکٹریس کے حقوق رکھتا ہے اور انھیں مل جائے پاتا ہے، اسی طرح ایک متک
اس کی ورزش کے مطابق وہاں بھی اسی کی جاتی ہے۔ دھرم کو اپنے شہادت سے
بڑا بھلا تھا۔ یہی کی اس انفرادی زندگی میں دھرم جیسے پروردگار کا بھلا جانے
کتنے غافلوں کا سہارا ہے۔ بدراس میں نہیں لے کر وہ اپنے اشکات کو کسی
طرح جلتے رہا۔ اپنے پروردگار کے لئے غمناک انداز میں تھا۔

دھرم اس سے وہ منازعہ بھی آتا رہتا۔ یہاں بھر ایک فلم شروع کر دی۔ اس
دفعہ اس نے گھر سے دفتر بھی واپس آکر دو برس قتل کروا کر دیکھا اب منگلا
نے اس کے دو دو کوٹھلی نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہی کئی دن اسے منگلا کی طرف
بھی نہ نظر آتی۔ بدما کی غصیلں دوبارہ جھنجھ گئیں۔

ادھر منگلا کی ضرورت سے زیادہ چلے گی۔ ریتا اور دھرم کا رشتہ بس
روئے کار ہو گیا تھا۔ اس نے الگ ٹیٹ لے لیا تھا۔ جہاں وہ آزاری سے
واحد رہتا تھا۔ ریتا اور دونوں بچے منگلا کے قریب ہی الگ رہتے تھے۔
کبھی منگلا کی کسی اوتھ بیگانہ تم کے دوست سے بہت پیٹلیں دیتے تھے۔
منگلا اکیلی بڑی بون سے ہی پہلا کرتی۔ تا اور محمد رفیع کی کچھ آن بن سکتی۔
اس لئے بہت سے دوکانے اسے رہیں کے ساتھ لے۔ بیکار ڈونگ

ری ہرل میں دروازہ کی کچھ مصروف نظر آئے لگا۔ دھرم سے اجازت لینے
یا صلہ لینے کی ذاب ضرورت محسوس ہوتی تھی اور نہ سوتے ہی ملتا تھا۔ محمد رفیع
سے اس کا کافی میل جول تھا، لیکن اندھ لیکھ نے ان کے بارے میں کوئی بقول
قسم کی افواہ نہیں سنا۔ دھرم خود آواز پیش تھا کہ اس نے بھی کبھی کوئی
خیال نہیں کیا۔

مگر قسمت میں ہوئی کے بچے کچھ رشتے کو بھی ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ انہیں
دونوں اپنی نئی فکر کے لئے جھڑپنے بجائے رفیع کے ہند کی دوسرے
لئے۔ یہ بات منگلا کو بھی ناگوار گزری۔ جب عادت اس نے ہند کی دوسرے
ساتھ کانٹے سے اٹھا کر دیا۔ دھرم نے جب چاہا کانٹے اٹھا لے لے
منگلا نے بھی کوئی پرواہ نہ کی۔

دھرم کی فلم کھانا فلمی میسج میں برسی بھی گئی۔ اس کے سلسلے میں دھرم اور
دھرم کو بھی ملا دیا۔ چونکہ دھرم نے بھی جاتی تھی۔ اس لئے اس نے دھرم سے
کہا کہ منگلا کو بھی لے جانا چاہیے۔ دھرم کا زون کے محلے میں زانو کی کچکا تھا۔
اس نے منگلا سے کہا کہ تم بھی چلو۔ دھرم نے بھی جھپٹ زور دیا کہ وہ دو کوٹھی
لے جائے گا، لیکن اگر وہ نہ لے تو ریتا اپنی حماقتوں نے اس کی دہانے ناک
کھواڑے گی۔

دھرم نے ریتا کو دوسرا بارہ بھی ساڑھاں بھی خود واؤ، اس نے بڑی
نوشہ مند سے کہا۔ منگلا بھی راضی ہو گئی۔ کوٹھارہ تھا کہ وہاں سے انگلینڈ اور
یورپ بھی جاسکے۔ ایسے موقعے دھرم روزگاہا آتے ہیں۔ منگلا نے سب کچھ
محول حال تیار کیا۔ شہر شروع کر دی۔ شام کو محمد رفیع نے فون کیا کہ شہر کو
ناگ پور جانا ہے۔ ریتا نے فون کر کے لئے دوسرے جے کر لیا۔ منگلا نے کہہ دیا
اس کا جیسر جانا بہت ضروری ہے۔ بڑے زور شور سے تیار کیا اور یہی نتیجہ
"ای دنوں کو منت سے بارہ جانے سخت باندی لگا رکھی تھی اور نہ کہ جلا
صرف دھرم اور دھرم کا تھا، اس لئے منگلا اور تو میں جاسکتی تھی۔
بڑی دھرم کو بھی کچھ وقت نہیں تھا۔ دھرم نے کہا کہ وہ بھی نہیں جاسکتے گا، تو
دھرم نے کہا کہ ایسا چاہا کیا مجھ کو بھولے گا۔

دھرم نے بھی اپنی جارحی ہے۔ آپ لوگوں کا جانا بہت ضروری ہے۔
کیش نے رائے دی۔

دھرم نے منگلا کو بھی جاسکتی اس لئے میں جاسکتا گا۔

دھرم نے تو کہا، تم جے جاؤ۔ وہ بات سمجھا کہ توڑی جاتا ہے پھر چلے
جائیں گے، منگلا نے، اصرار کیا، اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ زور میں

سے نزاعا غم ہی ہو گیا۔ باہر کام نہ کروں۔ جہم ہو جاؤں۔ میٹ جاؤں۔ مجھ سے نفرت میری کام سے نفرت۔ صبح رینج کی پارٹی ناچو رہا ہی ہے۔ ابھی وقت ہے اس نے فرماؤں کیا۔

”دو ٹکڑے وہاں گاؤں کی کیا کچھ تیار ہی نہیں کی ہے۔ رہنے ہی دو۔“
 ”اے نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ بہت چلنا پڑے گا۔ کچھ بھی گاؤں“
 ”میری تو کاپی بھی دفن نہیں ہوئی ہے۔“
 ”بھائی، ہاں گاؤں کی کیا توں دھتیا ہوں۔ اور وہ گاؤں جو مدلس میں، وہ کرنسی تو جتنی اس کے لئے دیکھا ہو گیا تھا، وہ تو یاد ہی ہو گا۔“
 ”بول تو بار بولیں، کون سا۔“

”رینج نے حال دیا، مگنا کر مار دیا۔“
 ”وہاں ہاں، مگنا نے سبھی لگنا کر دیا۔“
 ”دو کوئی تو کبھی نہیں ہے اس وقت سب سو رہے ہیں، میں غور لے کر آتا ہوں وہی۔“

”رینج اور مگنا دوڑھنے تک مارو غم پیری ہر مل کرتے رہے۔ کئی گئے گانے یاد آتے جو دونوں نے ساتھ گائے تھے۔ پھر مگنا کا وہ گم ہنسی یاد آ گیا جو اس نے دوڑھنے میں گایا تھا، لگتا ہی لگتی۔“

”ہائے کیا سوز ہے اس گانے میں، بڑے جی سے گایا ہے۔“
 ”جی کوئی جوتی، مگنا نے مٹھائی ساٹن بھری۔ ہنس۔ نے اخبار رینج کے ملنے ڈال دیئے۔“
 ”ہو،“ رینج دیکھی ہو گی۔

”رجب جی تو میرے ہانے کا سارا معاملہ محسب کر دیا۔“
 ”وہ اتنا سہا جانتی کی۔ بال بچوں والا آدمی بول دیا ہی تھا ہی مجھ سے ہم کیوں اتنا دل پیڑا کرتی ہو۔ تمہاری کلن کا بھی تمہارے اور کچھ جتنی ہے۔ اسی روز گم کے بعد وہاں ارادہ اپنی ٹوپ لے کر بڑے لوب کے دوسرے پر جانے لگا ہے۔ پچھلی دفعہ بڑی بی بی بہت اچھا پروگرام دیا۔ حضور عیناً۔“
 ”ویزنگ گلے فیکو سے ہونے رہے پھر تو کچھ صبح جلدی اٹھنا تھا، رینج

اور امینا نکھڑتی ہوئی ہیں۔ وہاں سے وہ بھی جرنی جا میں گی۔ مینا کو اس کے پتی دوڑھنے نہیں جانے دیا۔ کیونکہ ان کا بھی جاوہ نہیں تھا۔ بیچارہ روپیٹ کے چپٹ ہو گئی۔

”رتنا کے لئے دوست سے اس دن رات کو جوتی میں جس روز یہ لوگ جرنی روانہ ہوئے۔ وہ اپنا قول سنانے منگلا کے پاس آئی۔ دونوں دل ملکات ملے۔ ایک جوتی میں۔ ایک دور سے کراچی میں داستان سنانی میں۔ پھر سے دھننا زہ ہوئے اور کوئی حکم نہ تھا انہیں پھرنے کے لئے۔ رتنائے آبا کو فون کر دیا کہ وہ صبح آئے گی۔ اور اس سوئے گی۔ دراصل جانے کا دم تھا نہ تھا جوتی سر میں ابلا اور دھنا کر بیٹھا جا رہا تھا۔ دونوں نے پھر پھوٹی سی سہا سے کے لئے پی اور جوتی ہی گئیں۔

”بات بچھڑنے لگی ہوئی تھی۔ کسی پھرتیے نوکر افرنے دوسرے ہی دن بلا کے لئے وہاں پہنچی ہوئی تصویریں بھیج دیں۔ اور جب وہ تصویریں بھیجیں تو مگنا پر جیسے بجلی گزری۔ رتا کو تو اس کا دست میٹ کر لے گیا تھا۔ بیچے پارک میں کھیلنے گئے بڑے تھے۔ وہ جوتی بھی اس کھیلنے کے تصویریں دیتی رہی۔ یہ تصویریں دھرم اور رتنی ساتھ تھے۔ چالاک نوکر افرنے امینا اور دھرم کو اس حال کی سے لانا تھا۔ کراں کے دوڑ کا سبھی نہ ہوتا تھا۔ اور کچھ اشارے کئے میں چھپنے بھی کئے تھے۔ پرانی کشیدگی کا بھی ذکر تھا مگنا کی موجودگی کا اور دھرم کی دبا تھا۔ ایسا سہم ہوتا تھا دھرم قصداً آگے نہیں لے گیا تاکہ وہاں دونوں مجھ سے آتا سکیں۔ کئی بار چاٹا گلاس میں ساری کوئی خواب آدرو گلیاں اچیل کر اس کو رب اس جانکی کی حالت کا خاتمہ کر ڈالے کہ کچھ چھوٹے۔

”مگر پھر سوچا۔ یہ تو وہ دونوں چاہتے ہی ہیں۔ نہیں اس میں نہ تو میں خوش نہیں کرنا ہے۔ رجب جی نے جاتے لا راہہ نہیں تھا تو اس نے کیا نہیں تھا۔ شاید اس لئے کہ میں ناچو رہا ہوں۔ میرا پردہ گم مٹھنا کہ خود چلا جائے۔ خود رینج سے پھر ہے، اس لئے کہ وہ مجھ کا دل دلاتا ہے تو شہان جی کی تنگ ہوئی ہے۔“
 ”میں اس کی ضرورت ہے کام کرنے کی اور وہی کے گلے ہے کیا وہ کئی بار کہہ چکا ہے۔ اتنے بڑے غلام اور پوڈو پوسر کی جوتی کام کی تھا۔ اپنی کپنی

میلے بیٹ خواہ خواہ کے طرمان جوڑ رہا ہے، بات مل گئی مگر زید کا ماتھا کھٹک گیا۔ اگر میرے بات چل گئی تو سارا مزہ کر کے چلو جائے گا جب تک کام ہو والا ہوتا ہے تو جھینکس آتی ہیں۔ دھرم کو زید پر سوں سے جانا تھا۔ اس کی رنگ سے واقف تھا کبھی تو اسے بھی پتہ ہو جاتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ دھرم کو زرنہ بھر ہونے والی ہے جھینکس آ رہی ہیں۔ زبان بند ہے مگر آنکھیں بول رہی ہیں۔ آپ ہی آپ ٹھوکانا ہے، پیچھے کے بادل اٹھنے میں، پھر نہیں دیتا ہے۔ پھر کہیں کھو جاتا ہے۔ زید کو سلاطین سے وہ دل ہی میل پٹی بھر رہے مل رہا ہے۔ پھر رہا ہے۔ روٹھ رہا ہے پھر مل رہا ہے۔ وہ اس کے دماغ میں کبھی بھول کھاتی ہے کبھی اسے کھانے بھونک دیتی ہے یہی الگ الگ میں کس بھرتی ہے کبھی نہ ٹھوکی دیتی ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا اور لیز رہا تھا۔ ورنہ اس کی سرخسٹیاں موتی صاف نظر آتی تھیں۔

وہ کہہ رہا تھا، دھرم نے زرنہ کو دیکھ کر دنگا لگایا۔
وہ اچھی ہوں، آپ کو بہت بڑی ہوں نا، ابی پھر قرض ہو گئی نا، انگلینڈ میں بہت مزہ آیا۔ میں نے کہا آؤ امیڈا آپا بیاں کھو جائیں۔
رہی۔ یہ نہیں چاہی کہ دھرم کو چھو لے، کیا بھر دے گا کیا کہہ دے اور دھرم سے غائب ہو گئی۔
دھرم نے ملے پی پی لگائی۔

وہ نہیں اس سردی میں پی پی کر سکتا۔ نہ صبر نہ خود کو لیتا
دلایا: پہل پہل سے میرے پر رون آگئی ہے، معذہ اپنے کو دھوکا نہ دے سکے۔ جیسے کو ہا متناطیس کی طرف تھپتا چلا جاتا ہے دیے ہی دھرم بے ہوش بنے۔ دھرم نے مجھ میں تھوکی تھوکی نظروں سے، تو سارا، معلوم کسی غیر مرئی قدر سے بندھا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اسے تو نوگرافوں کا خوف تھا۔ دیس دیس کے جہازوں کی پرواہ۔ وہ سب کو کھینچا، دھنگ لگاتا، اس کے قریب پہنچ جاتا وہ اپنے رد و گرد پھیلی ہوئی رشتاؤں کا انداز کے پھر مجھ میں کھو جاتی۔ مگر اس کی چھٹی جس اسے پھر وہیں لاتی۔ وہ اس کے پیچھے اسے ٹھاکر رہا تھا جیسے مار اپنے تازہ پاؤں پاؤں مٹنے پٹنے کے پیچھے باہنیں پار کے کھاتی ہے۔ اس نے

دیکھا اور ٹھٹک کر سانس روک لی، پھر خندق کے کنارے ٹوٹکارا ہوتا۔
دھرم نے اس کے شانے کو تھپتھا اور جب مرمی تو اس کے سامنے پھینکی پھیلا دی۔

صدیاں بھاگتی دوڑتی گزریں، قرن بیت گئے۔
وہ میٹھیاں بھینچے اس کی پھینک کو گھوڑی مٹی۔
دودھ دھو چکا، امیڈے اسے کھینک کر اپنے آگے کر لیا۔ اور آنکھیں موندے نواریوں کے قریب چھتی ہوئی آتش بازی دھیتی رہی۔
دھرم نے مٹی سے بندھ کر جب میں ڈال لی، اس کی نرم نرم آنکھوں میں آتش بازی کا عکس دھڑا دھڑا چل رہا تھا۔

وہ رات دھرم نے نماز پڑھا رہی، معلوم ہوتا تھا اس کے سر پر بار بار بھرتی رہے ہیں۔ اسے دھرم کے پاگل پن میں کوئی شک نہیں رہا تھا۔ اس نے کبھی ایک انسان کو بغیر خون کی ایک توند نہ ہاتھ یوں میسر میسر نہ ہاتھ نہ کیا تھا۔

زید دھرم بے دانا نہیں، میرے دوست تالی ایک ہاتھ سے نہیں جھتی،
یک طرفہ شعلے نہیں ہو سکتے۔ میرے بار میرے سننے میں مرمی حلن ہے۔
جیسے کوئی ناخونوں سے متوجہ رہا ہے۔ تم مجھے ڈانٹیں کیوں نہیں گالیاں
کیوں نہیں دیتے کھد کو، شاید یہاں دھماکا ہے۔ شاید وہیں جاگ اٹھے
تب اس جلن پر شاید چھٹپا چڑھائے، پھر وہ ایک دم دیوار پر ہاتھ رکھ کر کھد
سے کہنے لگا۔ وہ اسی ہوئی میں ہے۔ یہ دیوار پھر دیوار۔ دیوار نہ اردن
دیواروں کے بعد وہ دھرم ہے۔ کیسے جب کی بات ہے، ہے نا، وہ ڈرے بارے
دیوار پر ہاتھ پھیرنے لگا جیسے وہ کمیت کی سرحد کاٹ نہیں خود برا نرم و
لچک دار جسم ہو۔

دوستو.... بھٹیک سے یہاں بیٹھا، اگر تمہیں اتنا یقین ہے تو میری شکل
ہے یا زید میرے آسے بھٹیک کر لپک پر بٹھایا۔ تو میرا خواہ خواہ کیوں طبلکارا
جو میچ میں....
دوسرے نہیں،

میں مجھے جہت ضروری باقی کرنا ہیں۔ مگر اس نے ضبط کیا اور اسے رسالہ
کھسکا کر ایک میز کے پاس لے گیا۔ جلدی سے کافی کا آرڈر دیا اور بیچے ہی غلوں
اور چائے سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔
”دراستہ تم اس کو روم سے طلاق کیوں نہیں لے بیٹھی؟“
”وہ اسے یہ سب صبح اچھے طلاق کیوں دوانے لگے؟“ مگر وہ خوش برقی ہوئی
اس کے کتے لپٹا کر لے گیا اور وہ بڑی ڈیپٹی سے سنتی۔
”یہ سب کچھ کہہ دوں؟“
”وہ طلاق لے کر کیا کروں؟“ وہ سنی۔
”وہ شادی؟“

”وہ دیوار پاگوں سے؟“ جونیو سن بھرے کیا بے کون شادی کرے گا؟“
”بہ ساری دنیا میں جتنی کوئی دکان ہی نظر نہیں آتا۔ ایک ہی میاں اچھلی
حرف زندہ رہی۔۔۔۔۔ نام سنا ہو گا؟“
”کی کچھ یاد تو رہتا ہے مگر سننا ہے وہ تو۔۔۔۔۔ ان کے قومی؟“
”وہ اسلام چارلی اجازت دیتا ہے؟“
”اوہ، دو تو آپ فرمائیے۔۔۔۔۔ اب میری اور کہیں کر ڈالتے، پھر
چیتھی کے بارے میں سنا جاتا ہے۔ سنا ہے لوگ آخری ہو جاتے ہیں۔ مگر
زندہ رہنا چاہیں کیوں ادھر ادھر کی باتوں میں وقت برباد کر رہے ہیں۔ اگلے دیکھئے نا؟“
”اگلے دوں؟“

”اب میں اتنی بھی نہیں ہوں کہ بیٹھ کر ان کو صبح صبح میری طلاق پر تنبیہ
کرنے کے لئے یہاں لائے میں، مجھے۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے ہمیں پرکاش جی
گھمانے لے جا رہے ہیں۔ اس لئے۔۔۔۔۔“
زندہ رہنے کی زیادہ تعلق مناسب نہ سمجھا اور اگلے لگا۔ وہ چپ سنتی رہی۔
”بڑا کھوتی بند کرتی رہی۔۔۔۔۔ زندہ رہنے کے اعصاب جواب دینے لگے۔
”وہ مجھے ان سے بڑی ہمدردی ہے؟“ اس نے انظار نزل کر کہا۔ ”مگر یہ
تو پتہ چلے کیا چاہتے ہیں؟“
”وہ نہیں، یہاں اتنی لمبی پوری داستان سننا ڈالی اور آپ کو یہی نہیں؟“

”جائے کیا کرتے کھلاؤ؟“ کا معلوم ہے تین بجے ہیں۔ مجھے اس کے
کمرے کا میسر بھی نہیں معلوم۔ مجھ میں بات کروں گا۔ اس سے بات کروں گا۔
میں صاف کہہ دوں گا۔۔۔۔۔ وہ ایک دم رنگ گیا۔ اس نے قطعی کچھ نہیں معلوم تھا۔
”کیا صاف کہہ دے گا۔“ مگر وہ بولتا چلا گیا۔ ”وہ ابھی جب وہ بھی۔۔۔۔۔“
”وہ تو تم مانتے ہو نا کہ وہ بھی۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے دل سے تو۔۔۔۔۔“
”وہاں ہاں ہاں اس میں کیا شک ہے؟“ زندہ رہنے اسے خدا کرنے کو کہا۔
”وہ مگر کچھ یہاں پردیس میں اپنا کھیل نہیں بنے گا۔“ مجھے اپنی دنگلی میں فرق
نہ پڑے۔ ہاں!۔۔۔۔۔ اور دیکھو یوں بیکار مرنے والے سے کوئی خاصہ
بہنیں۔ یوں تو بنانا یا کام پڑ جائے گا؟ اس نے بڑی نرمی سے کہا۔
”وہ بچہ ہوتا ہے؟“ ”وہ دم پر پھر کر رہ چلا۔“

”وہ میرا مطلب ہے خواہ مخواہ۔۔۔۔۔ دینا بھر کے لوگ جمع ہیں۔ تم اتنے
بڑے پردہ پر سرورہ ایک سو لی ایٹریس۔ بات صحاب سے ہوئی ہاں بچے۔ دم بچا ہے مگر
جو کے آرام کرو۔ میں سب شیک کروں گا۔ ہاں! زندہ رہنے اسے کس اڑھایا۔
ایسا لگا جیسے وہ ایک دم سو گیا۔
”بہار زندہ رہی؟“ اس نے ایک دم ہی موتی آواز میں کہا۔ ”دھمکا۔۔۔۔۔“
”شکلا کیا ہو گا؟“

”زندہ رہنا تھا کچھ جوا نہ تھا تو میں اسے قتل کر کے پھانسی پر چھوڑ جاتا۔
”وہ قتل کن کر نہ کرو۔ ان کا اس میں کیا دخل۔۔۔۔۔ اچھا یا سو جاؤ ورنہ
صبح اٹھنے پر پائیں گے اور وہ لوگ گھومتے گھومتے نکل جائیں گی۔ بات مل جائے گی؟“
اس نے پھسلا دیا اور۔۔۔۔۔
”صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو دھرم شل خانے میں شیکر بنا رہا تھا۔ وہ مہر لڑا کر
لیکا۔ آدھے راستے میں یاد آ کر مٹی کا شاور سے ادا اپنی حاکمت پر چڑھ گیا۔ بخت
پاگل کے ساتھ وہ کوہ قو پاگل ہوتا جا رہا تھا۔ دھرم کی ”اتر تھیاؤں“ نے اسے لکھلا
دیا تھا۔

”بڑی شکل سے اس نے ہاتھ آئی۔ زندہ رہنے پاگل عاشقوں کی طرح اس کے گرد
طواف کرنا شروع کیا۔ جی تو چاہ رہا تھا ایک مگر رسید کرے اور کبے چلے گا۔ اور

وہ دیکھتے وہ جو آپ سوچ رہے ہیں اس کا جواب میرے پاس نہیں۔

اس سے پوچھتے لیکن اگر.....
”اگر کیا؟“

”اگر شادی کا خیال ہے تو.....“

”مضادی؟“ زندہ ضبط نہ کر سکا۔

”آپ تو ایسے بد کے جیسے بھی شادی کا لفظ نہ سنا ہو، وہ کھٹکلا کر
منہس۔ حالانکہ ماشاء اللہ سے.....
وہ اور سنگلاہ زندہ کا خون کھول گیا۔

”اے آپ آخا بن کیوں رہے ہیں، ان کے بارے میں تو سوچنے کے
بعد ہی کچھ طے کیا ہو گا۔“

”وہ اور پوچھتے؟“

”وہ انوہ کیسے کس کے نہیں ہوتے، کیا آپ کے بچے نہیں تھے۔ آپ نے
جب دوسرے بیاہ کیا تھا تو اپنی بیوی کے بارے میں سوچا تھا بس وہی۔
زندہ صاحب زندہ سیری نہیں ہے۔ اس کی جگہ آپ کی بہن ہوتی تو آپ کیا
جواب دیتے؟“

زندہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا، آپا پاپا ابرائیم۔

”دھن اپنے بہت مقدس معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کا بہت بہت سترن
ہو رہا ہے۔ لوگ دیکھ رہے ہیں نہ جانے کیا سمجھ رہے ہوں گے؟“ وہ اٹھنے لگی۔
”یہ میری اپنی رائے ہے۔“

”اور زندہ کی؟“

”وہ زندہ جانے؟ وہ مہکوا کی موتی ملی گئی۔“

جب زندہ میرے کامیوں کے کلی خندے لگا کر دم کو سب باتیں بتا رہی

تو وہ ہنسی کی طرح کھل اٹھا۔ بڑی سہریاں برود سے گالیاں سنیں جھینپتی گئی
نظر اٹھائیں۔ آنکھوں کے کونے پر ہوتی کانپ رہے تھے جب وہ اپنے سے
باتیں کر رہا تھا تو باہر فواد کے پاس زندہ سے مذمیر مچ گئی۔ فواد کو فواد

ٹوٹ پڑے۔ وہ اسے بڑی شکل سے چاکر نکال لایا اور پھر وہ وزن دیکھنے کی
مشین میں بٹے ڈال کر مارو دیکھنے لگے
”یہ دیکھو۔“ دھرم نے سختی کھول دی۔ وزن کا کارڈ زندہ نے شاکر
دیکھا۔

”وہ..... اور دھرم نے دیکھو؟ وہ بچوں کی طرح شرمایا۔

”دھرم نے قوب سے بات بات کر۔ دل کی مراد پوری ہو، کارڈ دیکھا تھا۔
”بہن بھڑی،“ تو اسے بچے کا شوق کے بچے؟ اس کا جی چاہا ایک گھونسا
مار کر کہے مگر ایک شرماسے، یوں معاملہ نہیں ہے گا۔ شادی کرنی ہو گی؟“
”وہ شادی؟“ دھرم شوق سے معلوم ہونے لگا۔

”وہ نکاح..... اور ہر..... زندہ نے ہر کی نشریہ کی۔

”ہر متناہی کہو؟“

”دھرم سے کام نہیں چلے گا، نکاح کرنا ہو گا مسلمان ہو کر، زندہ غرا گیا۔

”اور اس کا ب کے تہ نہ جانی کا نام لیا تو خدا کی قسم جبراً تو دوں گا؟“

”اس کا نام لینے کا مجھے کوئی ادھیسا نہیں؟“ وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

”بڑے بڑے بکر کے لم لاکر سامنے رکھ دیسے۔ زندہ نے بن اٹھایا مگر جب

تک دھرم نے ٹوٹ پڑے کر پڑا ہوا۔

”دیکھنی خیر؟“ دونوں اپنے اپنے خیال میں غم پیر رہنے لگے۔

”یہ زندہ..... یہ نکاح کیسے ہوتا ہے؟“

”یہ آدمی ہے گا گھن جلا، دھرم نکلا کو ٹرنگ کال ملانے کے لئے بھاگا گا بھا

پھر رہا ہے۔ پتوں کے لئے کھولنے اور جا کلیٹ خرید رہا ہے۔ اور دھرم نکاح

کی نگر میں کھٹا جا رہا ہے۔ اس نے نکاح کی تشہیر کر دی۔

”یہ باندہ کی کج دین کام بن جائے گا، دھرم نے بڑی مصونیت سے

پوچھا۔

”جانیے کیوں زندہ کو نکلا پڑنے والی نہ تھی؟“ قی بہت غصہ آ رہا تھا جب

اس نے خود کو تو شادی کی سختی تبا اسے اپنی بیوی پر قطعی ترس نہیں آیا تھا۔

حالا کہ مشکل اس سے کچھ خوش نہ تھی میں سمجھتی تھی کہ وہ زندگی دکان کرتا ہے۔
وہ دینیک دھرم کو ڈانٹتا رہا۔ پھر اس کو نرم آنے لگا۔ کیونکہ وہ سر جھکا کر غلطیوں
نشتا کیا۔

جب زندہ بچا بولی ناخو استہ امتز کو دھرم کا جواب دینے کے لئے کہہ چلا
کہ سبنا تو معلوم ہوا وہ لوگ باہر تھی ہوئی ہیں۔ کاش تک کو نہیں لی پھر شام کو
معلوم ہوا فرانس چلی گئیں۔ دھرم نے پچھا کرنے کا پروگرام بنایا۔
وہ نہیں مارا اگر معاملہ کرنا ہی ہے تو نوٹھو اسے کوئی نام نہ نہیں۔ ان کی
سیٹیں بک چکیں، جا میں گی کہاں چلنا تو ساتھ ہی ہے۔ یہاں ہوا لکھنے پیچھے
دوڑنے سے کیا فائدہ۔

مگر ابروٹ پر بیٹھنے سے معلوم ہوا انہوں نے کنگ کیپل کو رادیو۔ پتر
نہیں کب اور کس پین سے جا میں گی۔ کچھ نہ پتر چل سکا۔ دھرم میں پھیل گیا مگر
نہ صبر نے تسلی ہو گئی۔

ابروٹ پر بیٹھتے ہی اُسے مشکل کے ناگہر جانے کی اطلاع مل گئی
ناگہر کا پروگرام خالصا کامیاب رہتا۔ اگر مشکل عین وقت پر ضرورت پڑے

پہل کر سٹیج پر نہ آجاتی کسی کو سب سے زیادہ تھا کہ اس حد تک عادی ہو چکی ہے
جیسے وہ ہو گئی ہیں اپنے کمرے میں بند پڑی تھی۔ جب وہ بھرتی ہو گئی تھی
اسٹیج پر آئی تو سب متحیر رہ گئے۔ اگلے بال، اے تو نیک کرے۔ اُدھر
آکر کھڑے ساز حائے اُدھر اسے بڑے زور کی آواز سے دہرایا۔ اُسے
سر اٹھ کے ناہیں مڑ گئیں مشکل اُسے باہر سے گئے۔

اختیار میں سامی تفصیل کے بعد لکھا تھا کہ دھرم جینی گیا ہوا ہے اور
خاندان مشکل کا پرستار ہے۔

”کی ضرورت تھی جانے کی، میں نے سن لیا تھا“ وہ ایک دم نرم پڑ گیا۔
”مجھے بتایا میں مشکلوں سے“

”تھیں جلتے تو تھیں۔ یاد رکھو انرا دینے کے قابل ہر دم مہی
اس کی بے قدری کرتے ہو ہی ہے جو بدواشت کر رہی ہے۔ اور کوئی ہوئی تو

کسی کی تمنا سے نہیں متھو کہ الگ ہوئی۔ دھرم سجدے بے تعلقت تو ہمیشہ
تھا۔ مگر دھرم کو دیکھا کہ رشتہ رشتہ متا۔ مگر جینی میں جو جیتی اور نہ صبر کی اہمیت
پھر ہی تو وہ کچھ زیادہ ہے جسے تکلف ہو گیا۔ پہلے وہ اُسے جنیس مانا تھا۔ اب نے
تھک پیدا ہوئی تھا۔

اب کے پیریشا، اور ہم ہی ایسی پڑ پڑ فلم بنائیں گے۔ کہ دنیا دیکھتی و
جاے گی، یہ اس نے مشکل کے لیے پڑ پڑ کر اس کے سر پر اسے باقہ ہوا۔
مدیشا، ہنہ، بھگوان نہ کرے گا اس نے دھرم کا ہاتھ پھینک دیا اور
ایسے دوپٹ گئی جیسے وہ کوئی گویا ہو۔
”دھنگلو...“

دبایا، یہ سوچتے ہیں گھارو جا کے، وہ بیڈ سے اُٹھ کر مشکل کی مڑ رہا ہوئی
وراز کول کر اس نے گلاس میں تھوڑی سی دھکی ڈالی اور کھسی کرنے کے لئے
چوٹی کھولنے لگی۔

”دھنگلو، میرے سویرے“
دھو“ مشکل نے جیسے اُسے پڑانے کے لئے نیٹ پینا شروع کر دی۔

”دو راجیہ میں مشکل“
دھنگلو اچھلے اور کیا اچھا نہیں۔ یہ میں بھی جانتی ہوں۔ تم کیوں نکریں
گئے جاتے ہو“

”دھنگلو“
”اے رہا جاؤ نا اپنی گھڑی کے پاس۔ بڑی مشکلوں سے تو روٹھی

دہری کو مٹا دے کہیں خفا نہ ہو جائے“
”کیوں طوفان جوڑتی ہو وہ تو پیرس سے ابھی آئی ہیں۔ دھرم کے

مڑے نکل گیا۔
”دھرم نے کہا جانیے کی فحش لائی“ وہ غلٹی تلواری طرح کھینچ گئی۔
اور ایک بڑا سا پینگ انڈیل کر مڑے لگا گیا۔ دھرم اس کی طرف بے بسی
بڑھا۔

”دور۔ دور۔“ اس نے ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ ”مجھے باقہ نہ لگنا“

ایک دم طلع صاف ہو گیا۔ زمر پانچ منٹ کے لئے اپنے گھر بیٹھا۔
 رتو کو کھینچا کر اگیا۔

تھما کے ہاں ایک نگاہ میر پر اٹھا۔ یہی چھوڑی رس لٹائی کی طرح بھڑکتی۔
 بے انتہا چلی، دھرم کی غلی پوشش سے محروم، درجہ کی رعیت سے واقف۔
 ”کیسے رے گی، چھوٹی بہن کے رول کے لئے“

”زر اٹھتی ہے۔ اور تلے بہت جھوٹے ہوئے ہیں“ زمر کو بغیر وقت
 سخت حیرت ہوئی تھی۔ دھرم کی نظر اس نقد تیر تھی، خواہ وہ تھما سمجھ کر پیش ہو،
 پہا جا رہا ہو یا کھلی کمرے کے کلب کی طرح چہرے ہرے کی پالیش سے نہیں پرکھتا۔
 اس کا اندازہ کسی دھماکا نہیں کھاتا تھا۔ زمر نے اس شدت سے اس کے حواس پر
 چھائی ہوئی تھی جیسی وہ شوق نوازے وقت جیسا اس کے معجزے بافتوں اور
 پردوں سے کبیرہ وڈر ہی رکھتا تھا عشق میں اندھا ہوتے ہوئے بھی اس کی فنی غلیوں
 کی کبھی درگزر نہیں کی۔

چما کے ہماں سے تین بیکے لوٹے تو زون پر سے سارا غبار وصل چکا تھا۔ دھرم
 نے وہاں بہت کھڑی، باتیں خوب اور کھل کر کہیں۔ نہ جانے کیا بات تھی پر مایک صحبت

میں ساری جذباتیت صابن کی طرح وصل جاتی تھی۔
 جب زمر صراستے اتار کر چلا گیا تو وہ دماغی طور پر کافی صحت مند محسوس کر رہا تھا
 سونے سے پہلے ایک اور بیک کے لئے دروازہ کھولی۔ تو قی علی تھی، ادھر ادھر ٹھوڑے
 ٹھکانے کیوں کی گامی میں پھولی لگئی۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ اہم نہیں لگتی جو اسٹیل
 تیار کرنے والے نے اسے فی طور پر پیش کی تھی جس کی قیمت اس نے اپنی مدراس
 کی بیلوں میں اسے کا شریف دوا کر چھائی تھی۔ اس میں صرف اس کی اور زمر کی وہ
 تصویریں تھیں جو پہل کے دوران میں کی گئی تھیں۔ نہ وہ فلمیں جس بڑے گئے تھے اور
 نہ ان کے اسٹیل ڈوٹو بار دلوں کو دکھائے گئے تھے۔

وہ صبح تک ان تصویروں کو کھینچتا رہا۔ پھر اس نے اپنا سولہ ٹی بیٹر کار پر چڑھ
 نکالا اور وہ سین بجھتا ہوا چلنے میں غافل نہیں ہوئے تھے۔ ہر طرف گیسے باقائے ماضی
 نہیں تھے۔ دروازوں کے درمیان خوبصورت اختلاط کئے گئے تھے۔ زمر میرے اس
 لئے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان سب کو بھلا دے گا۔ اور سب کچھ بھول کر نئی زندگی شروع

کریے گا۔ اس نے انہیں جلایا نہیں، سیف میں چھپا دیا۔

نئی ٹھکانہ میں تھکا ہوا تھا، عجیب انسان تھا، ایک دم غلے کے خوبصورت لڑکی
 میں آجاتے تو جاگ اٹھتا، بڑی جاں فشانی سے دنیا کو کھول کر کھٹ جاتا۔

پھر دھماکے کا ہوجانا، کچھ دل کو جھٹکتی تھی، وہ اپنے کمرے میں ہوجانا اور
 خراب کی شکل میں سے کھائے کئی کئی دن کے لئے بے کار ہوجانا کبھی بچوں سے
 لینے لگتا اور شگلا سے مکانات پر جاتی تو دونوں کئی کاٹ جاتے۔ اس بات سے کم تر تھا
 تھا۔ جو کچھ جو شگلا کو اس کے آنے کی خبر تھی وہ ادھر آ جھپٹتی۔

نئے غم کے گلوں کے بارے میں زمر نے اس سے پوچھا نہ اس نے تو بڑی
 اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ غلوں میں کانا نہیں چاہتی تھی۔ ویسے وہ بے کے لئے
 اسے کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ دھرم اسے بہت دیر دنیا تھلا وہ
 جانی تھا کہ وہ خود نہایت بے شکا آدمی ہے۔ شگلا بھی بچوں کے مستقبل کو منظر سے لے
 اس لئے وہ اپنی شگلا کی کمائی کی سب اس کو دے دیتا تھا۔

شگلا اپنے غامدان کے بعد اگر کسی چیز سے ڈرتی مکتی تھی وہ تھا اس کا گانا۔
 لسنے دن وہ صرت دھرم کے بھوں ہی کے لئے گاتی رہی۔ اس لئے اس کا من
 قلعہ ہو کر رہ گیا۔ وہ سال ہی ایک اور زیادہ سے زیادہ وہ غلوں کے گانے لاتی،
 ”وہ دھرم سے بیک گانے والے سینکڑوں گانے لگاتے ہی عشق سے مارت بڑھتی ہے
 ہر رات غریزہ شوق سے مٹنے والوں کے گانوں میں بھی انہیں کی آواز میں پڑتی ہیں زیادہ
 ترانے ہیں گانوں کی سرائیاں ہوتی ہیں۔ انہیں کے ہمارے زیادہ غلوں میں بچتے
 ہیں۔ غلوں ہاگ کو نظر میں رکھنا ہے جانتے ہیں۔ خواہ وہ انا لادوں کی ہاگ ہو یا
 لادوں کی۔ شگلا اپنے ذہنی سکون کے لئے گانا پڑھتی تھی کہ زمر نہ ہونے کا احساس
 نہ ختم ہو جاتے۔ وہ ہر طرح کا کارڈیشن کرنے کو تیار تھی، جس سے اسے لگتا وہ پینا
 پانا لہ کر کے بڑی سبک کی سے راضی شوقین کو تھی۔ خود وہ بیل کے لئے سرج مانی۔
 پیسہ مانگتا تو دکھانہ وہ ان کی ہر طرح کے کارڈیشن جاتی۔ دھرم دلوں سے تعلقات ٹھٹھنے
 کے بعد وہ آہستہ آہستہ سب سے کٹ گئی۔ دھرم کے پاس ہی ہوا آتا۔ اگر
 ضروری ہوتا تو وہ خود اپنے دوست احباب کے ساتھ جاتا۔ اس کے لئے کوئی
 بہانہ نہ کرتا۔ لوگ اسے جوتے جارہے تھے۔ وہ لوگوں کے دلوں میں رہنا چاہ رہی

معتی۔ چونکہ وہ غرض مند تھی، اندر مری کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کوئی گراؤ اور اونچائی
 جیسے دوسرے کلاکار رعایت دینے سے انکار کرتے منظر کے بائیں ہاتھ چھلکتا
 آتا۔ خاص ہے نہ عام طورہ فوایونرک ڈائریجیو دیتا تھا نہ ہی اس کی فہم سٹ ہوئی
 نہ اچھی چاہیگی سہولتیں، بلکہ اندر مری اٹھرتے ٹھاکار کے پیچھے سبک کا مارا لے
 کر بھاگتی ہے۔ گرتے ہوئے کورندہ کی چل جاتی ہے۔ اتنی فہم نہیں لکھ سکتا تھی
 ڈوب رہی تھی۔ اور نیلے کا سہارا نہ تھا۔ وہ گناہی اور بے توجہی میں کھولنے کو تیار
 نہ تھی۔ وہ دیکھ چکی تھی کہ فزیکالیاں گئی وہ کبھی چوٹی کی فکرمشاہد تھی جس کی آواز سن کر
 پتھر سی ٹوٹ پٹختے تھے جو لکھوں کے دل میں اپنی آواز کا جا دو چکا لگتی تھی آج
 کہاں ہے۔ وہ زندہ ہے اس کا ٹکڑا زندہ ہے مگر کون جانتا ہے۔ وہ فزیکالیاں
 ضدی نہیں کرنا چاہتی تھی، نہ فکرم کی ہر وقت نیا جاکے تھی اس کی آواز سٹ کی
 تیار اپنی آواز کے ساتھ جسم کو تہہ چھو ل سکی، منظر کا کبھی کبھی بھولنے کو تیار ہے کہ وہ
 ایک بڑے فن کار کی خوش حال بری ہے جو فکرم کا مالک ہے۔ اس نے کوئی
 شرط نہیں لگائی، مگر اس کی مقبولیت یہاں نہ ہو سکی۔
 جس کسی گناہ سے چھوڑ دوسرے نے اسے فون کیا تھا کہ شام کو گانے کی کیا وارنٹ
 کے بارے میں طے کرنے آئے گا۔ مگر کوئی نہ آیا غریب تھا، گناہ چھوڑا ہوگا۔ چھوٹی
 پھیلانے میونرک ڈائریجیو کی کہاں تک مرتبہ نہیں چلتی جو اتنے جاہل میونریشن
 کو نوٹ دے سکتی ہے۔ پھر کا ٹوٹک کا خیرہ وار بے ہودہ ہے جو بڑے نہ
 ہونے میں ہے۔ ایک وہ ہی تو تھا لوہری ہے جیہاں آؤں ہیں کس کس کے ساتھ
 رعایت کریں۔ اور کب تک کریں۔ یہی ہے کہ تو نے فکرم کی پیدوایو سر کر کے ہیں۔
 کہ اتنے میں گھنٹی کی سر جاشا پیدوایو سر کر دیا ہی گئی، مگر جب ایک لمبا
 دھکا پتلا مارا تو جیسا شریا اندر آیا تو وہ اسے پہچان میں نہ پائی جب اس نے
 اپنا نام دیکھا تو تیار ہو چک پڑی۔
 وہ دن، فزیکالیاں پ رے باپ کیا اونٹ کا اونٹ ہو گیا۔ اسے سبک دیا

ہے رے۔ میٹھو۔

دمتہ کا بچ گیا ہے۔

”اور تم نہیں گئے لالہ“

”ہیں۔ میں نے تو انہی ایسی سی سے چھوڑ دیا۔“

”اچھا اب کیا کر رہے ہو نہ“

”کچھ خاص نہیں۔ دھرم خانی نے کہا تھا، پھر قریب لیں گے۔ سائبر دل ہے۔“

”اس کے بارے میں پوچھئے یا تھا۔“

”جی ٹھیک اور دھرم کی فیکٹری کا چچا عام نہیں ہوا تھا اور فزیکالیاں اندر مری

میں داخل ہی نہیں ہوا تھا۔ فیکٹری تو سب گھروں پر کم ہی ہوتے ہیں۔ منظر نے، دھرم کی

خیر خاصہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔“

”ہے۔ ان کے گئے کیا تھیں؟“ مگر پھر وہ سنبھل گئی وہ سنبھل گئے ہوں گئے۔“

”میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ شوٹنگ ہے کہ نہیں، انہوں نے کہا تھا کہ شوٹنگ

شرع ہو گی تب میٹ پر ہی میٹ لیں گے۔ یہی فون پر تو میٹ سے جواب

میں دیتا۔“

”تو وہ تو سنبھل رہے۔“

”ہاں اگر چاہیں تو جاتے تو۔۔۔۔۔۔“

”اے رے مری گندی لائن ہے۔ کچھ اور نام کرنا۔“

”وہاں ملے گا۔ ایک فکرم نام ہے جہاں قابلیت دھری رہ جاتی ہے۔“

”سب سمجھ جاتی ہے۔“

”اے رے وہاں بہت کام ہیں۔“

”مگر فکرم میں کیا پڑائی ہے۔“

”کیا پڑائی نہیں ہے۔ پوچھو، تم تو سنے کہنے پھر دے گے ہوی سرچہ کر غیب کو

دے گی۔“

”ہوی ہے ہی نہیں تو رے کی کہاں ہے۔ وہ جیسا۔“

”وہ کبھی تو آئے گی۔“

”کیوں آئے گی؟ میں شادی ہی نہیں کروں گا۔“

”ہے ام۔ مگر نہیں بڑا دے گا۔ منظر ابھی وہی کہتی چل جا رہی تھی۔ آئے

یہ باتیں نہیں چھٹی چاہئے تھیں۔“

”فکرم کا باپ کسی نے میں بڑا بدست ہو گیا۔ اس کی فکرمی ہوی ایک

آرٹھ کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ تپ فرید پانچ برس کا ہوا۔

”دچانے کو کچھ ٹھنڈا“

”جی اب چلوں گا۔۔۔۔۔ آپ دھرم جی کو یاد دلادیں گے۔“ پہلے بھی انہوں

نے وعدہ کیا تھا: ”وہ کھڑا ہو گیا۔“

”اے سہیل! ان دنوں تنگدلی کی بجائی ادب جایا کرتی تھی۔ کوئی بھولا بھٹکا ان بھینٹاؤں سے ڈرتی۔ وہ تنہائی سے ڈسنے لگی تھی۔“

”مدرسے جیٹھا۔۔۔۔۔“ اس نے فریڈ کی آستین پر دوکر بٹھا لیا جب

اس نے دسویں پڑائی تو فریڈ سسٹھا گیا۔

”مدیوں، بیونا بہت ذرا سی دی ہے۔ میں نے“

”وہ نہیں“ فریڈ تکلف کر لے گا۔

”اے اتنا بڑا ناؤ دوسری گاہو لیا، ابھی تک دو دھڑی پتیا ہے۔“

”موڈی تھی۔“

”دو ڈھری۔۔۔۔۔“ وہ جھجک گیا۔

”تیرے ڈھری نہیں بیٹے، خوب پیتے ہی کسی تیرے نہیں پائی، پتھی کر جیٹھ

بول رہا ہے۔“ فریڈ نے کلا بدیا دوستوں کے ساتھ جھپٹی کرے۔

”تو بس۔۔۔۔۔۔ دو دو ہونڈ تو ہے ہی، بڑے تکلف سے اس نے ٹھاس لے

لیا۔“

”ننگھا اس کی صورت دیکھتی سی، ابھی کل ہی کی بات تو تھی جب وہ بی

نئی سیباہ کر آئی تھی۔ تو شکل سے وہ اس کے کندھے تک آتا تھا، کسی گھنڈا

میں آجاتی تو دلکس کی طرح لال کتر ہوتا نا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پٹ آؤنگا ہو گیا

مگر چہرے پر ابھی تک کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دلوں کے اتنے شرع ہر نہت چہرے نہیں تھے۔

جیسے لب اشک لگی ہو۔ ابھی زہر حلق سے نہیں اترتا۔

فریڈ کی شہزادی انھیں تین چار پیگ میں سیباہ چڑھیں۔ اور میرے کی کئی کی طرح

دکھنے لگیں۔

”ننگھا اُسے رخصت کرنے اٹھی تو راز دہی پر ہی مچھ گئی۔ اس سے پہلے

کمرندہ کے بل گرتی دو معشرہ ہاتھوں نے اُسے تھام لیا۔“

وہ خود کو چھوڑ کر طرہی سے اپنے بڈروم میں اپنے لگی جیسے بہت دوسے

بھاگی ملی آ رہی ہو۔ ساری کالو گینڈا کرس نے اپنے گرو سپٹ لیا۔ اور میں نالین

پر بیچہ گئی۔ اس کے باخیر بھٹنے ہو رہے تھے۔ جیسے جاتا جارہے والا ہو۔

اکثر ایسا ہونے لگا تھا۔ ڈاکٹر کہتے تھے شراب پر قابو نہ پا جا بیٹے۔ یہ اس کے

بس کی بات نہ تھی۔ اس بھنڈی میں ایک باغیچیں کو کھیرا ہوا تھا۔ اور وہ تو

ایک کمزور اہل تھی۔ زندگی کی تھلاوی اور اہل تھی نے اُسے بے دم کر دیا تھا۔

شراب اس کا نوزی سا تھی تھی۔

یہ کیا ہو رہا ہے، ابھی اگر میرا مکمل جانے تو، بے اعتبار اُسے دھرم

یاد آیا۔ ایسا بے رحم نہیں، کمرتی مروتی تھی نہ آئے۔ یہ اس نے کیا کر دیا۔

دھرم کیا اتنی دوسرے لایا۔ کمرندہ کو بھی نہ دیکھے گا۔ نہیں ایک مارا اُسے آنا ہی

ہو گا۔ پھر وہ اُسے اپنی ہاتھوں میں جھٹلے گی۔ جانے نہ دے گی بس ایک بار

اس کے سینے پر سر رکھ کر انھیں ہونڈ لے گی پھر کسی نہ کو لے گی۔

”وہ نون کرنی دی، اچھ کی آواز آتی دی۔ پتھی شکل سے نکلتی مار۔“

”وہ جو۔ میں کیشو بولی رہا ہوں دیدی“

”انھیں ٹیلی فون دو“

”وہ کیا بات ہے دیدی میں آؤں؟“

”ہ نہیں۔۔۔۔۔ وہ زور سے جی۔ جیسے کیشو اس کے دل کا حال جان کر

منہل ہر کی دھکی دے رہا تھا۔“

”میرے تو شیک میں؟“

”ہاں شیک میں، انھیں ملاوہ؟“ ننگھا نے حاجت سے کہا۔

”ویدی۔۔۔۔۔ وہ اگر کوئی بہت ضروری کام ہو تو۔۔۔۔۔“

”مکینڈر جسٹرام زادہ؟“ ننگھا نے فون پر سنا دیا۔ ”فانا پیگ اڈیل رہی تھی۔“

”کرمی فون کی گھنٹی۔“

”ہو۔۔۔۔۔ میں زہیر بولی رہا ہوں“

”وہ وہاں ہے ذرا جائے،“ ننگھا کو میز پر اور قہقہوں کی آواز سنائی دی۔

”دھرم اسٹوڈیو سے بول رہے ہوں“

نہیں تھا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی، سب سے الگ وہ ایک منڈیر پر چھکا ہوا
تیسری منزل سے نیچے سمنٹ کی کچی شکر پر نظروں کاڑھے ہوئے تھا۔
”بات نہیں ہے کہ شاید صرف ہاتھ پیر پوت جائلز کا اس نے منکوا
کر کہا۔ دھرم بھی ہنسنے لگا۔

”دیکھو یہاں سے کس قدر خوبصورت شوٹ بننا ہے۔“ دھرم نے ہاتھوں سے
بکھرے کا ذمہ بنا کر دیکھا۔ وہ اس کی ٹیپ پوسٹ اداسی پڑا ہوا ڈرم -
”وہ اللہ یاد کی قسم کام کے ہو گیا ہے، اچھا تو تاہم تمہارے عشق کرتے“
”وہ تمہیں ترسا ہے۔ دھرم آکر تائین پر بیٹ گیا۔

”دھرم نہیں دوست ہم تو ہمارے قدموں میں دم توڑ دیتے اور اوت نہ کرتے؟“
”بھیر اس کے پاس باقی مار کر بیٹھا۔ دھرم آدھا لٹا کر کچی کی خستیاں دیکھ کر
کھینچنے لگا، اس نے تلبیض اور بھان آمار جی کا منہ اور گھوڑا بنا چدھی دے رہا تھا۔
اس کی پیٹ پر ایک تپاسی چھوڑی جلی خور کڑی تھی۔

”بھرتیا آپ کو دے سے تیسری کے تپان کے لمحے میں دو چپے کا منڈیراٹے شین
کے گلہاس کی ڈکڑی بجائی تھی۔

”نہ تاج بھورے۔ ڈنگ۔ ڈنگ۔ ڈنگ۔“ اس نے مچلا کی نقلیں

”تھیل رہا تھا۔
قوی میل جون نہ کھڑے کھوے جپت چڑھا۔ ایک گول شول طبعی منہ
اس کی جھل جھلکی براتی مارے جیٹی تھی۔ اور نہ میں قطرے چھار پٹی تھی۔ اس
کی نارنگی آغوش کے چٹاک اور تک پیچے ہوئے تھے۔

”دھرم جانی کا لون آتا تھا۔“ رنہیر نے اس کی گتھی ہونے چاند پر کسلے کی
انگلی سے دائرہ بناتے ہوئے کہا۔

”دھرم کیوں؟“ بڑی ہی خاموشی کے بعد بولیا۔
”جیہاں نہیں۔ دفتر میں آیا تھا کیونہ نے مجھے کہا۔“ دھرم کا چہرہ سفید
ہونے لگا۔ وہ آنکھ کر بیٹ گیا۔

”دھرم کی ضرورت تھی؟“
”ادہ“ وہ بھر واپس بیٹ گیا۔ اس کی ضرورت کس کو نہیں۔

”دھرم نے کہہ دیا مجھ تک کھٹے ہی بھجوا دیے جائیں گے۔“

”دھرم کیوں نہ مجھے کہا ہوتا؟“ وہ ٹیل فون کی طرف بڑھا۔

”بلو۔۔۔۔۔ بکٹیو۔۔۔۔۔ فون آیا، دھرم کیوں نہ کہ نہیں کیا۔“

”اے اے پوری بات ترستے نہیں دیکھ لے دیتے ہو۔“ تجھ سے کہا تھا رپوں کا۔

”تجھیں پتہ نہیں۔“ تم سس لوٹیا میں بخول تھے، میں کیا کہتا؟“

”دھرم کیوں پوچھ رہے تھے؟“ دھرم نے انکار کیا۔ ”رنہیر کا منہ آڑ گیا۔

”وہ کہاں جا رہے ہو۔“ مجھے امانتہ جاز۔“

”دھرم کیوں نہ لگا کر کیا ضرورت آئی بڑی۔“ تم تو مڑے آنا۔ مجھ میں نے پرسوں

”ہی نوکھڑا دیتے تھے۔ رات ہی جلدی پھر ضرورت پڑی؟“

”دھرم کیا ارادہ ہے؟“ پوچھو میں سوڑو رک کر دھرم خاموش بیٹھا رہا تو رنہیر

نے پوچھا۔

”دھرم رات ہو گئی ہے۔ سو گئی ہو گی؟“

”دھرم؟“

”دھرم رو پے بھجوا دیا۔ دھرم نے لمبی سانس لی اور موٹر اشارت کی۔

”دھرم سے اہل طیس؟“

”دھرم کو رنہیر کی رات بھر لڑے گی، منہیرا رام ہو گی؟“

”دھرم خیر آ کس و ام زادے کو ہے؟“

”دھرم نہ کھڑے نا کھڑے؟“

”دھرم کو ملے ملے آجانا، کانے کار پر سہل ہے۔“

”دھرم جلدی ہی لو؟“

”جب موٹر کار کی تو نہ جانتے کیوں نہ لگا نے دم سا دھرم لیا اور پروں کی چاب

پرکان لگا دیتے۔ سوڑو پھر مڑ کر دائرہ ہو گئی۔ تھیل کی چاب نہ آئی۔ کوئی نہ آیا۔

”کون آگئے۔“ آہ بھر کے اس نے پھر آنکھیں موند لیں۔

”اسی بار اس نے رنہیر کو بیچ میں نہیں ڈالا۔ رنہیر کو اس کے دل کا لی

کیا معلوم؟“

”اس نے بیٹو کے آگے دل چیر کر رکھ دیا۔ اس طرح نہ وہ سوچ سکتا ہے

دور چھوڑو یہ زربہ چمک کر لوی۔
مداگر ایسی بات تھی تو پہلے سبکار کا کیوں طوفان مٹھایا۔
مداکیل کا ٹریکٹ وعدہ کیا اور سکر گئے؟
دو تونے کہا ہوتا؟

مدا باپ رے۔ وہ زور کا پڑ مارنے کا طبیعت سری ہوتی؟ اینڈ جری حشر
سے اُسے دیکھنے لگی۔ پھر اسے تو میں گھسیٹ لیا۔
دو کیا وہ نامراد گورو می پڑتا تھا؟

دو ہاں؟ زربہ نے سر ہلادیا۔
وہ خدا غارت کرے ان تونوں کو۔ ان کی قبر میں کیڑے پڑیں۔ تو اس کجنت
سے ڈرتی ہے پھر بھی اس مرد سے پریشی دھری ہے؟
دو مرد سنے کو تو میں نہیں جانتی، ڈائریٹر میں دھری ہوں؟

دو اس میں اور حرام زادے گورو میں کیا فرق ہے؟
"فرق تو کچھ بھی نہیں۔ سچی میں جو کچھ لایا یعنی ہوں وہ اُس نے سکھایا
اُس کے آگے کوئی بھی نہ سکھاسکا جیسا رول میں نے پڑھنا" میں کیا ہے،
کبھی نہ کر سوں گی۔ نہ "دششنا" کی تلاویں پھر پڑائی ہوگی۔
دو اور گورو دشنا دینی پڑیں اس کا کتنے کوئی دیکھ نہیں ہو کوئی شرم نہیں۔
دو جب پتھر لگتا ہے تو دکھ جاتا ہے پھر مرٹ جاتا ہے؟
دو لٹے کے بعد عزت واپس نہیں لیتی؟

"وہ مچا تا قری تو کتنی ہوس ہے کہ لوگ جتے ہیں۔ جھوٹ اڑاتے ہیں
دو لکھا سناں کو تو نے قائل کر دیا تھا کہ نہیں لائے لائے کسی کے پاس مشرک لکھت
ہے عزت لٹی یا نہیں۔ ویسے بھی ڈنڈا تو پھیر لیں کوہ کا رہی جی ہے۔
دو میں تو نے ناقہ لائے پھر لائی تو تو اول درستی کی دیکھیں سکتی تھی۔"

۱۳

میں جب کیشو نے روپے لاکر دیے تو وہ رات کو واقعہ بھول گیا تھا۔
"یہ روپے کیسے؟"
دو رات بولتا تھا نا زربہ میری سے؟
"اوہ، ہاں؟" گننے لگتا اس نے روپے کتنے کے نیچے مٹا دیے۔
دو رات بہت دیر تک کام چھڑا۔ گڑاؤ بڑھان جاتے رہے۔ بکھرے ہونے
پھر زربہ میری کے ساتھ اسلوٹ پر کام کرتے رہے؟
"پیدا کے ہاں؟" منگوائے بھائی سے کہا۔ دیکھا اسے میری ہون پر تباہی
مندی، اس کی سیل کی سہی ہو گئی تھی۔ وہ لگاؤ بھلا ہے کو تو یہ ایسی بھی تک لائے
ہے۔ اس نے ایک اور ٹیٹ جھپ کے خریدیے۔ پھر جاتا کہاں ہے، اس کا
بھی سڑا لگ جائے گا۔ پھٹے جھپے میں وہ کچھ نہیں جانتی۔
"ہاں میں میں؟" کیشو کھینچا نہ ہو گیا۔ بابا پوری جاؤ ورنہ ہے۔ جس نے
سوچا۔

اس کے کانے کے بعد بابا زربہ گھسیٹ کر وضو لگنانے لگی۔ بہادر گیت
اگر پڑے۔ دو گیت جو اس نے دھڑا کے کان میں اہل کے بیڑ کی چھایا میں لگائے
تھے۔ کس پارا در مان سے وہ دم کے لئے گا یا کرتی تھی۔ وہ باس لٹ جاتا۔
اس کا ہاتھ کمر میں شراقت کیا کرتا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ دھڑکتی چھٹا جاتا۔

جب وہ کوئی بہت ہی سر بلکا والا تھی تو وہ اس کا سر جھکا کر مڑوں کو ترمیم لیتا۔
 باہر بیڑ چپ ہو جاتا۔ لب گلف ہو جاتا اور دونوں کے ساتھ گونج اٹھتے۔ پھر ترمیم
 میں اور بھی رس آجاتا۔ کتنا مزہ تھا ان دیر میں۔ دھرم تو مایا کو بھی رہا ہر سال
 کہا کرتا تھا۔ دھرم سے سب کے سامنے کہتا تھا۔ "ری ہرل کرنا ہے" اور شگلہ شرم سے پانی
 دھنسی ہم ہوں جا رہے ہیں۔

ہو جاتی۔
 صدیاں بیت گئیں ری ہرل کے، جب سب کے سوا زول ہو گیا۔
 کیلے میں ایک ہوک سی آئی۔ ہاتھ بڑھا کر دم کی توتل اٹھائی، ہنہار سہل کھوٹ
 حلق سے اتار کے۔ جب کیلے کی حلق گم ہوئی تو اس نے خلیقوں اٹھایا۔
 وہ فرید ہے۔ میں مسرور دھرم دھرم ہوں؟
 وہ اچھا اچھا، اپنے مزاج تو اچھے ہے، فرید کا باپ، فرید ہوں رہا تھا۔
 دوجی، وہ فرید کے کام کے کہا تھا؟

وہ ہاں دھرم صاحب نے وعدہ تو کیا ہے؟
 مد میں شری ساؤ بڑھا رہی ہوں۔ شری کی ریکاؤنگ ہے۔ ان کی پچھر
 میں ایک رول ہے؟
 وہ اچھا اچھا۔ دھرم نے ہنہار ہے۔ میں ابھی اسے سچتا ہوں۔ عنایت ہے؟

آپ کی؟
 وہ کوئی بات نہیں، میں خود کوئی تیدہ منت میں آتی ہوں؟

وہ اچھا اچھا۔ بس تو وہ تیار رہے گا؟
 شگلہ نے بڑا سا پگ نیا یا اور بڑا نیم دوسرا کڑھ لگائی۔ آبا سے اس
 نے ساڑھ شگلہ کی اور دوسرا ایک نیا یا۔ پھر ساڑھ پہنے لگی۔

وہ آہ سو رہی؟ فرید انت کی دھم سے خائفہ ہوا۔ ہاتھ آگے دھیرا۔

پتا۔
 وہ آہ ساڑھ۔۔۔۔۔ آؤ نا۔ اس نے ساڑھ کا تیکہ گدھے پر ڈال دیا۔
 "میں نے سوچا شاید آپ کھول گئیں، اس لئے، فرید نے یہ تحفہ ہے
 تیرا۔"

"ابھی وقت ہے۔ ذرا دیکھو سے میری ساڑھ تو ٹھیک کر۔" ہنہار بچپن
 میں وہ اس سے یہ فرمائش کیا کرتی تھی۔
 فرید آنکھوں میں کراہی دھم کرتا کرتا۔

"ارے دھو۔۔۔۔۔ بس۔۔۔۔۔ اوہ، وہ پھر ساڑھ کھول کر باندھنے
 لگی۔ فرید کھنکھنہ سا ہنسا۔ شگلہ کو کمرس کے ہونٹ لب اسٹک لگے
 ہوئے معلوم ہوئے اور اس نے سہی لگئی۔ آج خود بخود حلق میں سی گنگنا رہی تھی،
 فرید کا منہ لال ہو گیا۔ اس کے گٹن اٹھا کر گویں رکھ لیا۔ اور اس پر گھونٹے مار کر
 ہنسنے لگا۔

گٹن کے نیچے رو پے دیکھ کر اس کا منہ نفی ہو گیا۔
 وہ کیا منہ چھوڑے دیکھ رہا ہے، کبھی رو پے نہیں دیکھے اڑیٹا؟
 فرید انھوں کی طرح ہنسا۔

وہ جانتی؟
 وہ نہیں؟ فرید نے سر ہلادیا۔
 وہ کیوں؟ رو پے نہیں چاہیے؟ شگلہ نے پوچھا۔
 وہ جانتی؟

وہ تو میرے لویہ
 وہ نہیں؟

وہ کیا باہل لگا سے میں خوشی سے دے رہی ہوں؟
 فرید نے بڑے گلف سے ہنسی میں ایک نوٹ پھوٹا۔
 دوسری؟

وہ شگلہ؟ اور میں لال ہو گیا۔
 وہ کیا خیر دے؟

وہ اس کیلے خیر دے؟ مجھے بھی، اکیٹ جانا ہے۔ موٹر چائی آتی ہے؟
 وہ ہاں؟

"ہاں تو کہیں لڑا تو نہ دے گا؟"
 وہ نہیں، بڑی نرسٹ کلاس چلتا ہوں وہی؟

چلک ہوا میں اتے میں کھا اگرم ہو۔ ذریعے ڈٹ کر پی۔ اتنی پی کر ہوش نہ رہا۔
 شعلہ نے سو روپے معرود ہوجول پاتے۔

جب عورت دینے پر تکی ہے تو قوت میں دوزں ہا عقوں سے ٹا دیتی ہے۔
 منکلا جوت کھائی ناگن کی طرز پلٹ کر خود سی کو ڈسنے لگی۔ اس کے شہر
 نے جو اس کا عاشق تھا، عشق میں اس کی مناسبت کو معکوس کیا تھا۔ اس
 کے پیار کی توہین کی تھی۔ اس کی کھا کھا کھوت دیا تھا۔ کہیں اس کی آواز

گھر کیوں میں گونجا کر تھی، خود کو ساری دنیا پر چھاپا محسوس کرتی تھی۔ اب
 اس کے کانے شاذی ریڈیو پر سنائی دیتے۔ دنانے اسے زندہ ہی دفن کرنا
 شروع کر دیا تھا۔ اور اس کفن دین میں دھرم کا ہاتھ ب سے آگے تھا۔ اپنی
 قوموں کے لئے اسے غلوں کے کے بھولیک دم کوڑی کی ایک رو کی کا خاطر سے
 دو کوہ کی بھی کی طرز نکال چھینکا، ناکش وہ صرف ایک عمر میں موتی لوگوں
 نے، اس کی پرستش نہ کی ہوئی اس کی آواز پر سر نہ ڈسنے ہوتے تو وہ اپنے
 بچوں کے پیارا اور گھبراہ کی دلچسپیوں کو ہی سب کچھ سمجھتی، نہیں اس کے منہ کو
 تر شہر کا خون لگ چکا تھا، انسان کی ترقی کو چکا ہے۔ پھر بھی اپنے نباتات
 اور احساسات کے رے میں ہر جاتا ہے۔ کاش وہ اتنی حساس نہ ہوتی۔
 ایک مہر میں کی طرز خوب جاتا، انسانوں سے سمجھنے سمجھوتی اور اس وقت
 کا انتظار کر کر جب اس کا گڑا شہر اہل کو دے شل ہو کر ناہی توکل کی ملے
 اس کی باہنوں میں بر طبع آئے گا۔

شرف مرد تو آوارہ ہوتے ہیں۔ شریف عورتیں اگر کھل کھیلنے پر تیل جاتی تو
 سماج کی بنیادیں مل جاتی ہیں۔ آوارہ اور بدحاش لوگ اپنا دل اور باشعور
 کو دیتے ہیں۔ عورتوں میں باکیا زیروں کی عزت بھری ہوتی ہے۔ جان دہ بیا
 پر دیتے ہیں۔ مگر باخفا سستی سادتی کے سامنے ہی جکتے ہیں۔ وہ اپنے کینے کے
 معترف ہیں۔ عورتوں میں ہونے بیٹوں کو دنیا کی عزت اور ارکا امانت ملا سمجھتے
 ہیں۔ اپنی بھی زندگی کی گندھوں سے دودھ کھینچتے ہیں۔ بیاد بات ہے وہ دوسری
 غلطیوں سے دوچار ہوجائیں۔ ویسے نہ لانے بدنام ہیں۔ اور ان کی بات چال
 بھی بہت جاتی ہے۔

”تو چلو“ کل آنٹی کھڑ رہا تھا۔ آج دیدی پر آکر آیا۔ لو کا تیز ہے۔
 سی ہرسل کے بعد اس نے فرید کو نڈا جی سے ملایا انہوں نے کہا رول
 کے لئے ٹرائٹ جیٹا ہے شیت بھی لے میں گئے۔
 دو اگر دھرم جی..... ”فرید نے موڑ میں وہاں ہوتے وقت کہنا دیا۔
 مدد سے بنا دھرم جی لوگوں کو پاس نہیں دیتے۔ وہ خود سپرد ہیں۔
 انھیں سپرد کی کیا ضرورت ہے“

”دو سا بیٹا ہے“
 دو کی سادہ سی مٹی خراب کرنا۔ اگر سر دھنبا ہے تو ان کے پاس جانا سیکرے
 فرید اوتس ہو گیا۔ منکلا کو اس پر پڑا ترس آیا۔
 دو اور بھی ریڈیو پر میں ہونے لوگوں کو پاس دینا پاتے ہیں۔ شام کو
 امرتا جت سے اپنا ٹکٹ ہے۔
 دو ان سے پیسے سے ہیں گی“

دو کھڑ دوں گی۔ ارے ہاں، رات کو پیسہ پر جانا ہے۔ پھر گئے۔
 دو ہاں ”فرید نے وقت نکال دیے۔ منکلا نے تیزی صاحب کو روک دیا۔
 دو نے بیاب میں مسر مد کو پر پیر پیرے باؤں“
 دو شوق سے آپ کا پیسے“
 دو ہاں سب ہی لوق ہوں گے۔ مدد اس کے پر دو پوسر میں گئے۔ بنیاد

کہیں ہر جاتے؟
 دو دہائی، بڑی مہرائی ہو۔
 اس شیفٹ فریج سے۔ بچہ خود ہی مگر منکلا نے اس کے کانے کاے تے۔
 بچہ جی، مدد اس مٹی اس نے جمع اچھا تھا۔ فرید نے اس قدر تھکے لگائے کہ
 منکلا، دینے میں لگی۔ حالانکہ اس کے گاؤں کا ریڈیو گ میں کافی ناس لگ
 ہی تھا۔ فرید کی ہنسی کے باجم پڑے ضرورت تھے۔ اسے قہقہے پھیلے کئی ہینوں
 میں بند ہ گئے ہوں گے جسے دھائی تھنے میں لگائے۔ فرید کو دیکھ رہ تھا۔
 اور وہ فرید کو دیکھ رہی تھی۔
 دو پس پر منکلا نے ضد کی کہ بچہ کھا کھا کھائے نہ جانے دے گی۔ پیسے دو دو

وہی زراعتیں منبوں بھال کی تھیں۔ "برہنہ" کے بعدست نرائی جیسے پیر سے چوک
گئے تھے۔ ایسے ہی پانچ پندرہ جی کی کا باکلی کی امید تھی۔ زیادہ تر وہ ایک کوٹے
میں غلتے کی تو ٹانگ مارنے اڑھتا کرتے تھے۔ اسٹاٹ باکٹ کی آواز پر چونک
پڑتے۔ چکوں سے نیلون بچو کر اڑ پھرتے۔ جب سے چا شک کی بارش
اور کافور بھال اس وقت شے تھے۔ وہ اڑا کے میناؤں میں سب وہ اپنے ٹوٹوں
کے گرد میں اندھوں میں ملنے راجہ سے بیٹے موتے تو ان تمام معرکے کے دشمنوں
کو بہت تعلیمیں سے سمجھاتے جو ان کے انہوں نے زیر کول فرم ونگی میں لے گئے۔
دھرم اور مدھان خانوں کی بولی پڑا گئے۔

جڑی بے لطفی سے فلم بن رہی تھی۔ دوسرے مینیں بھی۔ ایک کا بازو ٹھٹھا ہوا
شروع ہو گیا تھا۔ دوسری جو کس کس بھی اس کا بازو گرم مڑا شوٹ نہیں ہوا
تھا۔ دھرم کا شمار باڈیوٹ منبوں کے بولی کے ٹیٹاروں میں نہیں ہوتا تھا۔ فلم
کی رورٹ بہت ٹھنڈی تھی۔ دھرم کے دل کو کوئی چیز نہیں چھتی تھی۔ پہلے تو سکالہ
نکلا کا یہ ٹیٹا۔ دھرم نے اتنی بہت انہیں بھی نہیں، ہنسی نے موزیہ سنبالا بھلا نظر
لے لیا معاوضہ طلب کیا۔ یہ بات دھرم کو ناگوار گزری۔ وہ تو جیسے جانتا کان پیکر
باہر کرتا کسی کی مجال نہیں تھی جو جی بھی کرنا۔ مگر یہ سب اننگز دیکھ کر ہی ہوا تھا۔
دھرم کے ہاں سے کٹ جانے کے بعد ادھر سے نقصان کی گنجائش تھی۔ معاوضہ مل
جائے یہی غنیمت ہے۔ نام کی تو کوئی خاص امید نہیں۔ اس نے فلم یا شراپو
اسی اٹھائیں جو جاکے عرضی ٹھوک دی۔ رے دے شروع ہوئی۔ دھرم نے ہاتھ:

دینے سے انکار کر دیا۔ اسے کام لینہ نہیں آتا تو پھر معاوضہ کیا؟
یہ فلم انڈسٹری میں اکثر ہوتا ہے۔ دس تیرہ کی نیاں مینیں اس بارہ نہیں
دیکھیں۔ پھر آریاں سے لیا۔ مختصر ڈان سے، مختصر تیار ہو گیا۔ کوئی مٹی سستا سا
بیکٹ بچو اور ٹھوکنا کہانی بستی تھی اور بہت سی کہانی کا۔ ان کے دماغوں
کا پونہ بھی۔ چندوشیا پر دو سو سالوں کے معاملے میں مٹی بھی کرتے ہیں چیزات
سے ایک سچوئی فریت نکھو لیا۔ نا سبڈکا، چر سب سے سننے گیت کار سے
ان ٹیٹوں کی مدد سے بالکل اچھا لکیت نکھو لیا۔ نا سب سے چرکت ان کہانی کا

منگلا نے جھک کر کیا وہ کوئی نئی بات نہیں، ایک مرد کی شکر لائی ہوئی عورت
نے دوسرے کی باتوں میں سکون تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسا ہی کے
لاکھوں گھروں میں ہو جائے۔ اور پتا رہے گا۔ دھرم اور زرنہ کے قہقیر
میں لوگوں نے جو مہ کوٹیاں کی تھیں۔ چٹخارے سے لے کر آغلیس بیان کی تھیں
یہ بڑی عام سی بات ہے۔ نوجوان فراسا دار و ذرا بھوکا ایک دوسرے پر
دل آجانا کوئی عجیب کی بات نہیں۔ بلکہ اگر اس امر کو بے شک محبوب ہو سکتا ہے
منگلا کوئی گری جی ایچ میں نہیں تھی۔ اس کی ان حرکتوں سے مشتکی تھی ترا
کے مشاکی اس پر دھول غرنے کے علاوہ یہی خطرہ تھا کہ ان اس جیسوں کو شہر نہ
ل جائے۔ اچھے بچے شریف گھڑوں میں کیمچا بھیلنے لگی۔
منگلا اپنے زرنہ پر دھرم کے کھٹے کے علاوہ کچھ اور بھی جانتی تھی۔ وہ خود
اپنے آپ کو اور دیکھا اس بات کا یقین دلانا چاہتی تھی کہ وہ اس ختم نہیں ہوئی۔
لوگ اسے لاک بات نہ سمجھیں۔ وہ فرید کو نکال کر دوتو نہ پاسی اپنے دل کا سپرد
تو نہ ہو گیا۔ اس کے لئے کامیکیل روڈ پر ایک شاندار منگلا سجاوہانی کو اسٹر
اے شش دی۔ خود چھوٹی گاڑی رکھ لی۔ پچیس سو سے زائد کی تو سفید لیم۔ جی بھی
دلاوی۔

چیل کوئے منگلا نے ملے کبھی عقلم نے رائے دی کہ اگر فرید کو سپرد نہ جائے
تو بڑی آسانی سے بن سکتا ہے۔ کیوں نہ ایک بڑو کوش کبھی لکھی گڑی جائے۔
منگلا کبھی کے نام پر اچھل پڑی۔ یہ بات اسے پہلے کیوں نہ ہو تھی۔ فرید کو
پھر نہیں بلکہ دھرم کے مقابلے میں ٹھمن اور زیادہ مزید کم ہے۔
بس پھر کیا تھا، فرید کا نیٹ پر دوش آفس بن گیا۔ آنا میوزک تو منگلا کو
آتا تھا۔ وہ خود ہی میوزک دے گی۔ کانا ہی سنی جائے گی۔ دھرم نے نہیں۔
دھرم اپنی نئی فلم میں بٹا ہوا تھا۔ نام ایک پرانے گنام ڈاکٹر کا دیدیا تھا۔

مگر کتنا دھرم اور مدھیر تھے۔ وہ بھی فلم زنی الحال نہیں بن رہی تھی۔
ایک بڑی ٹکی کہانی کے حقوق خرید کر اسے نے کپور سے لئے تھانے جارہے تھے۔
پراسٹن جی کا نام ڈائریکشن میں دے دیا تھا۔ وہ اسی میٹن تھے۔ دھرم فلم

اور گیت کار سے نہیں کر سکتے جس کی بازار میں مانگ ہے اور جس کا نام بکتا ہے۔ وہ مرنے کے گیت بائکالے لکھ کر نہیں دکھاتا بس اپنے نام کے بل پر سودا کرتا، کہانی کار کے بعد گیت کار سے بھی جھگڑا ہوگا۔ دوسرے سوچنے والے میرا کیم دھرم ادب کر کے بدلنے پر تکی گیا۔ دو چار میں تیار قصہ انہیں دیکھا گیا کہ کسی کہانی میں یہ کیسے پچکے جاسکتے ہیں یا نہیں۔ یہ بتا کر کسی آسان سے دو گانے تو چاہے کارڈ میں میں ڈالو چاہے جو عجیبی میں اور چاہو تو ڈرم سیکوئس بنا دو۔ پس شروع اور آخر میں جو درد کر رہا خواب بننا۔ دو چار پاسنگ تھیں۔ دوسری کارڈ میں کے تھے جو کہ فلم میں نٹ میٹھے تھے۔ اب کہانی کی پھر سے ٹرینڈا پڑی۔ پرانی ہٹ فلموں کو پھر سے رو دینے کے کل میں بنایا جائے۔ بائکال آزمودہ نسخہ ہے اور سے نئے اسٹنٹ، کار کی ریس، کیتھیر کے مناظر ڈال دیئے جائیں، دیکھیں کہ کیا یہاں تدم نہ چوبیسے۔

پرانی نہیں دیکھ کر پانے کھڑا پھرے کھڑے۔ یہ تو کسی نے سوچا ہی نہ تھا۔ نہیں دیکھ کر دھرم کو پھر دوسرے چرنے نکلے۔ بہت دن سے ہانڈہ کی کمی کا ذکر نہیں مرا تھا۔ یہی فلم کے جھگڑوں میں دل کے میڈیوس فراموش کر دئے تھے۔ وہ اس شام کو بھی دوسرے آگیا کہانیاں دیکھ کر اس کا دل بھی پٹنے لگا۔ نہیں اب اس اس کے کی نہیں میں میں لگی۔ ہر چیز سے بڑا بڑا ہنگامی ہوئی ہے اسٹوڈیو کے کرائے، تنہا مال جو زیادہ تر فیکٹ ٹریٹ ہو ہی چکا ہے۔ یہ فلم حاصل کرنے کا میں خوب پیٹھ ہے۔ جیسے صاحب کوئی آنکھ کا اندھا، گاٹھ کا ٹورا نہ لے کسی جتن سے نہ جانے کسی کس کا کاکا کاٹ کر مہیا لیا۔ چو یا چینی، کپڑے جو ڈکڑائی، پارٹر شپ ہوئی۔ اب خام فلموں بازار میں آئیں گی۔ اس کے لئے پریٹ بنا چڑھی ہے۔ اس پریٹ کو حاصل کرنے کے لئے تخریب دکھا باڑا ہے۔ اور تخریب دہلے کے لئے جھوٹی رسیدیں تیار کرنی پڑتی ہیں۔ یہ رسیدیں پریٹ کے علاوہ اور بہت سی جگہ کام آتی ہیں۔ بیک منی ان رسیدوں کے ذریعے ہے، ہر چیز میں روز کی جاتی ہے۔ لوگوں کی لپٹ کے لئے جھوٹی رسیدیں دینے والے موجود ہیں جو صرف ان رسیدوں کا دھندلہ کرتے ہیں۔ جیسے روپے کی رسیدیں تاریخ کی پائین لے جانے کی۔ اسی تاریخ

کا اسٹامپ لگا ہوا۔

خیر پریٹ مفتی سے تو اکثر ٹریڈ یا کسی ہوشیار شکاری کے تجربے میں پیش چلی ہوئی ہے۔ یا مرنے میں تھکائی کر جو تم ہزار ہو چکی ہے۔ وہ طرز وار چھوٹری جو چو یا چھوڑا دیتی ہے، امانت میں خیانت کر گئی۔ اور یا تو پارٹر سے سے پس چلی۔ یا تنہا سکرکھا سنا چکی۔

نیلر بھی تنہا؟ پریٹ رہ جاتی ہے۔ وہ پریٹ بڑے واسوں پر چڑھے۔ خام فلم کے علاوہ خیر ہی پیش سے باہر ہو چکی ہے۔ دو بار نام بتاؤ کوئی اچھا سنا، دھرم نے ریزین سے پوچھا۔ دو نام.... کس کا؟

”دھما.... ہانڈہ مسکند.... وہاں نام بدلنا ہوا“

دو ہانڈہ مسجد۔ ادا! اس نے بے حد گندی گالی کی جی پھر ہونگی۔

مسجد کے ذکر مبارک کے ساتھ غلطیات! دو کوئی بائکال نیا نام نہنا چاہیے، دھرم آنکھوں میں ریس لگولی کرست ہو گیا۔

دو شکورا! کھینچے خاں، دوسری شاں یا ریا چھارے گا، ریزین چل گیا۔

دو جو اس، اچھا سلیم کبیا رہے گا۔“

دو سلیم.... اور ناں لگی!

دو دربار تھیم ہے۔ کل میں.... اسٹارنگ.... ریزین سلیم!

ریزین نے ایک ٹی کی آہ کھینچی!

اگر اسٹری کی اتنی ہی حالت نہ ہوتی تو وہ دھرم کی صورت پر تنوکی بھی نہیں۔ پانچ سال پہلے اگر کوئی دوسری شاخ جگڑائی ہوئی تو آج اس خطی کے عجیب بھی کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ دیکھتے ہیں فلم اسٹری کی تخریب زمین تو اس وقت عموماً ہوشیار شہر کی تھی۔ جب بدراس کی فلم دو چند دیکھا، اسے پورے ملک میں ٹھنڈے کاڑھ دئے۔ اس وقت یہی دے دئے اسے آپ کو کے حد انچھو کی بجھے بیٹھے تھے۔ بنگال فلم انڈسٹری دم توڑ چکی تھی۔ اور وہاں کے فلم اسٹار اور ٹیکنیشن تیزی سے مٹی کی طرت

مانگ رہے تھے۔ جیسی سے زیادہ اس وقت پڑا میں ان پر تھا۔ پر تھکتا ،
 رنگ ، چہرہ ، شامیہ پر بڑے زور سے نہیں مار رہے تھے۔
 مٹی مانگ کر سے دیو کا رانی جا چکی تھیں۔ مگر اشوک کا رادر سڑک واچے
 پھر سے اسے زندگی بخش دی تھی۔ مجبور۔ شہنشاہی اور بادشاہی
 کامیاب اور سستی نہیں بن رہی تھیں۔ اس مکتبی اور راکے بہادر پشی لائے
 دیکر سے ناظر کو رگفتان کی بنیادیں سمجھ کر چکے تھے۔ ناسک ، جاگرتی ،
 سینور کے مبارک نہیں بن رہی تھیں۔ کا ڈوار وستان اور محبوب ادا
 رہے تھے۔ شہنشاہی طبع نے شہنشاہ اور راکر کے بعد پشی کے کئے تھیں
 کرنے کی ترشش کی تھی کہ کمال اس کو کرانے واسے ابھی زندہ میں اور زندہ
 میں ہے۔

یہیں سیر کیا۔ کبیرا شہر مانے سہاگ رات ناکرا دور پھر پہل راستے نے ایک کے بعد ایک معاشی ملیں دے کر قلعین دلا دیا کہ کج حال صرت نکال جی میں نہیں ملک کسی کو نے میں بھی لایا یا کھانا ہے، جگر دھند لکھا، "طریقی کا میاں نے بتی فہم اندیشی کی تجویں جلا دیں۔" یونانم اندیشی تیشی کی طرف دل گئی۔ پرمحبت میں نالری علی بنامہ پھر کے دلیو۔ زلیخا احمد جہت کر کے اور نوک جہت کا دور لری کیا۔

دو چہد لکھا، "بے بعد نشان" اور پھر دھنکا، "بھی ہٹ کر بھیں۔" اور حارہ تلوار بازی، راجہ رانی، فون اور لقا اور جوان لڑکیاں، بے پناہ توص امازون کی

بھڑاران تھوں میں کی ہیں خفا؟
اب تو درمیانی واسطے سے۔ ایک نے دھوم دھام کی نظم کے
منہ بندے بنائے۔ کے اعتق نے درمیانِ نظم شروع کر دیا، کمالِ اردو
دو پاکیزہ، بنائے۔ راج کھنڈ نے برسات، آوارہ، شری چار میں برسات، دھام،
دس۔

سیدھے سادے بندوں کی تواریف مگر۔۔۔ بھروسے میں نہیں بنتی رہیں۔ پانچ چھ لاکھ
 ہیں، ہمیں۔۔۔ تو درجے کی نگریم بن جاتی تھی کہ اچانک مدراس کی انہیں نوکریا
 شروع ہو گئی۔ ایسا رانی، توپ، بدوق، انہی گھوڑے صبر پست!

مسیحیوں کو یہ بتایا کہ ان کے لیے جو مسیحیوں کی پڑیاں اور مختلف شہزادوں کے واسطے
 مسمیٰ ہوئے تھے، ان کے لیے مسیحیوں کی پڑیاں اور مختلف شہزادوں کے واسطے
 مسمیٰ ہوئے تھے۔

جب ولیپ مکار نے اپنے در اس سے آفریقا تو اس نے کہا
 "مشت یہ وہ مغز والی کے معیار کی نیوں میں کام نہیں کر لیں گا، ولیپ
 کی اس ذہن کی نہیں لگا مایاب جو چھٹیں۔ اس کی ادکاری کی دھاک مچیں
 مونی حق جو یوگ اسے لے کر دے گا تیار نہیں ہے۔ بھیجی وہ عربین جو سکا
 چیا تھا۔ تیر تو ہمیشہ انہوں نے تیر سے ہی رہنے لگا۔ اور یہ جنوب کی سبز
 کی مغز کو اس کا بائیں برواشت نہیں کر سکتا تھا۔"

پروڈیوسر نے نیچے میں باؤنڈریز بیان کر دیا۔ دو لاکھ اعلیٰ ترین میں رکھا۔
 بی بی ون ایسٹ اسٹوڈیو ایک ٹیٹ اصولی و دوسری طرف دو لاکھ اسٹریٹ
 سٹین کے لئے فنٹ، ہنس کا پروڈیوسر چار لاکھ بعد ہیجے کی بات کرنا ہے۔ گھٹ
 گھٹ کر نو ملتا ہے جو کڑا ثابت ہوئی ہے۔ میوں کی اوٹیں سے پیسے میں دیو
 ہو جاتا ہے۔ ایسٹ اسٹوڈیو کے بھی ہے۔ معیاری ٹیوں ہی میں کام کرتے تھے۔ کہاں
 تھے، کچھ جگہ روکے کچھ بنگالی نہیں بناتے ہیں۔ ایک محدود آرٹ کے لئے
 اور کچھ نہیں کے۔ جو بیان پڑھیں گے۔ کچھ داپس ہو گئے کچھ جھوٹے رواں
 بن گئے۔

دو ایک فلم بناؤ۔ دیکھو میجر آرٹ کی خدمت کرو جی مہر کے۔" بابو رائے میل نے رائے دی۔

اور دوسرے کا کہنا ہے کہ لی۔ دوسرا دوسرے نہیں بنے لیکن اب ہر ایک
 کے لئے ایک شریعت کو زندگی کا سہارا سمجھئے گا۔ اس کے وہ معاوضے
 دینے ہوں گے اور ان کی عیشت کے ساتھ نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ پھر لٹا کر ان کے
 کی قبر پر کی ہوئی قیمت کا اٹھا لیا۔ مگر کیا کوئی ایسا ہی دینے کو تیار ہو گیا اور دوسرے
 کی قبر پر دوسرے دوسرے کھاتے تھے۔ آج بھی کیا پورے دوسرے دوسرے کو کھینچ کر دوسرے
 سے بھینک مانگ کر دوسرے دوسرے کی قبروں پر عیشت بناتے ہیں۔ ان کے لئے نہیں
 لٹکا دیا ہے۔ اب اس کے لئے دوسرے کون سے دروازے کھولے ہیں؟

”یہ بچہ بہت قوی لے ہو گا۔ آج وگ کا ٹریس لے کر نائیل کر رہا ہے۔ اس سیٹ پر بہت کام ہے۔“

مخصوصیتاً، مسلمانوں کی گمراہی کا ذمہ دار وہ خود تھا۔

اس خیال سے جڑی ٹوھا۔ کس بندھی۔ وہ ظالم تعاننا، اس کی آنا کو پڑتی تھی۔

دور ہی براں منہا استعجابا و حرم دور ایک ہی خردک میں طبعیت صاف
رہے میرا جی دور اندیشی پر دوا دیتا ہوا میرا جی کیا
اٹھنے میں کیش اور بار دھو بھی آگئے ۔

دور کا تشہی کوڑوں کو کیا درجے آتے ہیں ۔ گاڑی بھی بدو
دور فن کے دنیا ہوں ۔ گاڑی اسٹیشن پر پہنچ گئی ہے کیش کوڑوں کے
دیانہ خراب کرنے کے قابل نہیں تھا سب کتاب مالک تھا مگر سوائے
بس کے ہی کام کے کسے کسے نہیں لی ۔ پیرول سونے کے مجاز بار ہے ۔
پس کی گاڑی کو دیکھا دور مانے سے کیا ناز ۔

دور اس نے پھر سب دکھایا ، ماز بولا ۔

دور اسٹوری کچھ بھی نہیں ، وہی پرانا رونا لہے ۔ پر صاب ناٹے ہیں ۔
گروپ ڈانس کیا اٹھانے دیتے ہیں ۔ شاعر اویکان اور لوکے ، کیش نے ہانک
لگائی ۔ وہ اصول سب فلم دیکھتا تھا ۔ بجائے لطف اٹھانے کے پرے سے
پرویشن دیکھنا لوں کی تعداد اور کامیابی میں گنتا رہتا تھا ۔

دور میں بھی ڈانس ایک گروپ ڈانس کیوں حرم کی ؟ ماز بولا ۔

دور کوئی سوشل نہیں اپنی کچھ میں ۔

دور کے سوشل بنانے سے نفرت ہے ۔

دور اس میں سوشل نہیں جاتے ہیں ، ماس رہا ۔

دور میرے ہی نہیں کلم میں ۔

میرا ڈانس کی کبھی سوشل ہونے سے انکار کر سکتی ہے ۔ سوشل سوشل گاتے
ایک دور سے کو کھیر رہے ہیں ۔ پگڑی پگڑی کی گوریاں کیا لباس پہنے
چن آری ہی چکی ، اور حرم سے ایک سے دور رہا ہے باطل اٹھنے ہی لوگ نکل
پڑتے ہیں ۔ کیسے ہو گیا گروپ ڈانس کا موقع ، ماس ادا ہے کہ ایسے گاڑوں کا
پتہ کسی کو نہیں معلوم تھا انہی لوگوں اور بڑے کے ایک دفع کے کا پیغام پہنچے ہر
وقت جنگوں میں تیار رہتے ہیں کہ نہ جانے کب کوئی بیسوں کا جڑا اور حرم
گھاتا ہوا آئے ۔ اور وہ ایک سوشل گانا جس میں کہ ان کے سوانح رہے ہوں گانا
شروع کریں ۔ پتہ اگر کسی کو معلوم ہے تو وہ فلم پر ڈیو سمریں ہوگی کہ نہیں

تہا ہے ۔

دور آج پہنچے نہیں آئے ؟ دوسرے نے گھڑی دیکھ کر پوچھا

دور گھڑی توڑے آگاسی ہوگا ۔

دور حرم پر کام پڑھتا گیا ۔

بڑے اہتمام سے شو ٹک مشین ہو گئی ۔ روزنامہ کو دوسرے ہاندی سے
بچوں کو لے کر گھر ملا تا ۔ اس نے کبھی رخصت کو نہیں بتایا کہ وہاں لکھا نہیں تھا
وہ بچوں کے ساتھ کس کو لے کر جاتا ہے کبھی رخصت کے گھر جس نے حال ہی میں
نہایت پریشیدہ ملک ایک فیٹ لیا ہے ۔

دور تبا کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلے گا ۔ مگر حرم جانتا ہے ۔ رہتا
کو پتہ چلے گا اور بہت جلد یہ گھر بھی کرے گا تھا دے گی ۔ وہی اور گھر دھونڈ
لے گا ۔

دور جو ہے جاگ ہی آئی ۔ نہ تیر نے کھا تھا ۔ اب تو زینہ کے خیال میں
دل کی دھڑکن تیز نہیں ہوتی ۔ اگر کسی نہیں مٹا تو وہ پتہ کے ہاں چلا جاتا ۔ تہا ہے
کیوں تہا کی فحش سرور کی جا رہی ہیں ۔ نہ وہ چل پہل نہ وہ شگاہے ۔ بیسے دینا
اب تو زینہ کو گھونٹے گھونٹے سسٹائے کو مٹھ گئی ہے ۔ تین بیسے ہر گئے دوسرے
کسی عورت کے سہم کو اتھ نہیں لگایا ۔

پراکاش جی سب سے دہات دیتے ہیں ۔ وہ جان کے ان کی فحش نظر انداز
کر دیتا ہے ۔ ایک آدھ چھوٹی موٹی فحش سے گھر توڑنا ہے گی ۔ اہل بڑا مٹھرا
ہوا آرٹس بتانا جا رہا ہے ۔ اس کی ابھوتی فحش نے نئے منتخب ہوئی ہے ۔
"مید" اور حرم کے عود میں ایک پگڑی نے سر اٹھایا پھر سر سیکر
دور توڑا ۔

دور پراکاش جی سے کہو ، کیش اس سے نئے کا سٹوم کے بارے میں کچھ پوچھنا

ہے تو وہ پراکاش جی کی طرٹ اشارہ کرتا ہے ۔ ان کا لڑنا ہوا اتھ تلون کی جیب
پر جاتا ہے جس میں مٹھ کے کیش کی دھکی ہوئی ہے ۔ وہ اتھ اند نہیں ڈالتے ۔
بچاؤ ہزار اتھ رات گئے میں کہاں رکھوں گی ۔ منہا کیشو پر لڑتی ہے ۔

میرا کھانا ہے۔ اس کی کوئی پاک کوئی ٹھکانے لگا جائے، پاپ کٹے ہی جاتے ہیں نا؟

دو تیر نہیں، کیشو مری مولیٰ آواز میں کہتا ہے۔
وہ آپ فیصلہ کیجئے، دھرم درزی کی دوکان میں لگے ہوئے آئینے کی نظر

مڑ جائیگا۔
وہ عجیب آدمی ہے، پراسش جی ماور کھنکارتے ہیں، ہاتھ جیب کے پاس لڑتا ہے۔ اندیشہ غش پاتا، مدھرتے خیال میں تو جیک میں، وہ چوڑا کوالٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ غلط فیصلہ نہیں کر پاتے۔ ان کی قوت فیصلہ اسی دن جواب دے گی۔ جب کہڑا نے بھری غفلت میں ان کے ستر پر چل مار کر کہا تھا، یاد دہی کے کھڑک ایک تو ہی رہ گیا ہے، مجھے اور کوئی نہیں جڑنا جو بڑی لاش پر مرنے لگوں۔

تب پراسش جی کو ناکی مبارز بھر کم جڑانی کے خوب بڑھی لاش میں کیت کروٹ آئے تھے۔ اور کوشش ہی نہ کی تھی۔

ان کی بونیا بھی رسی کیل رسی نہیں۔ روکیں درختوں کے ساتھ گپ شپ کر رہی تھیں۔ انھیں کسی نے نہیں دیکھا جیسے وہ جاوڑ کی ٹوپی پہن کر لوگوں کی نظروں سے اجھل ہو چکے ہوں۔

اور جھل تو وہ تب ہی سے ہو گئے تھے۔ جب انہوں نے کوفٹ کو اپنی

کپڑی کی سیونٹ بنایا تھا۔
کرتن زبڈیا تالاب کی سطح پر پڑا تھا، لمبے، تختے میں پھوٹ جاتے ہیں۔

وہ اسے بہتے میں بہت جاتے ہیں۔

وہ آج زماڑ، زبڈی، غری وشت ہو رہی ہے۔

”پچے کوٹائی ناٹ ہو گیا ہے۔ وگور وور کوٹان دیکے وے رہی ہے۔ میں

نبیع ہی آ جاؤں گا۔“

وہ ابھی زماڑ، دھرم نے التما دروڑاں۔

دیکھ، سچ ہے۔ پچے کوٹائی کھڑے۔ تم سین کی نگر نہ کرو۔ میں

سیٹ پر بوجھ رہوں گا، وہ بھر بیٹھ گیا۔

”وہ بارہ بج رہے ہیں۔ بار کیا سیٹ سے؟“ زبڈی بڑھ گیا۔

دو نوکر تو آ جاتے، دو ایک چھوڑ جاؤ گے، دھرم نے حسرت سے کہا۔

”وہ بارہ بجے، ترتیب جو تین بریاں اڑا کر لے گا، وہ بھر بیٹھ

گی۔ شام کے آٹھ بجے سے وہ گھر جانے کی تہہ کر رہا تھا، مگر دھرم پر معنوت

سوار تھا۔ مذہبت سے زیادہ غلامی تھی۔

دو کی آج یہاں نہیں سو سکتے۔ بیٹھ چلے جانا۔“

وہ دیکھا، دو داغ خواب ہوئے۔ اچھا، ایک بات جڑا دیا، مبالغہ سے بھر

کھاؤ ہو گیا؟

دھرم ناموش رہا۔

وہ اٹاں رہ گیا، قہقہے سے؟

وہ کوئی قہقہہ نہیں، لہجہ نرم؟

دو بھر دسی۔۔۔۔۔ باندھ کھچا، جن تو سوار نہیں ہو گیا۔

دو نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔

”دو بھر بھال سے کسی بات پر لڑائی ہو گئی؟“

وہ حجاب ہی کب موٹا تھا، ایک ٹک کر سیٹ آواز میں اُس نے اس

عجیب طریق رات کا احوال بتایا۔ زبڈی دھرم سادھے ستار رہا۔

دو عجیب آدمی ہوا، تم نے مجھے خوب بے وقوف بنایا۔

اتنے میں لوکر آیا۔ اس نے پھٹ دیا۔

”اچھا، بار بار چلنا ہوں۔“

”دو کس نہیں سکتے۔“

دو خدا کی قسم، پچہ بہا رہے۔۔۔۔۔ میں نہیں۔۔۔۔۔

”اچھا جاؤ جاؤ۔“ دھرم نے ہنسی کر کہا۔

زبڈی بڑھتی سے لٹک کی لٹک دیک گیا۔

دو میاؤں، ہمارے ایک شاد بھول میں زبڈی کرکٹ بدل رہی تھی۔

”وہ ہے کہ کرتی ہیں دو گئی۔۔۔۔۔“ امیر نے سرمائے کا ٹیپ بتلایا۔

”کچا۔۔۔۔۔“

وہ میاؤں نے زریں کھلکھلا کر سنس پڑی۔
 وہ چل بیوقوف میر کی کوئی وقت ہے، نطق کا یو جاؤ، امینہ بیپ بھینڈ
 لگی۔
 وہ نہیں نہیں آ رہی ہے آپا! اس نے امینہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے اچھلتے ہوئے
 دل پر رکھ لیا۔
 وہ بانی دوں!
 وہ نہیں۔
 وہ تو بھیرے!
 وہ رونے کو ہی پا رہا ہے!
 وہ کیوں؟
 وہ پتہ نہیں۔ زریں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
 وہ زریں... میری جان، امینہ نے اسے کلیجے سے ہٹا لیا کتنی دیر!
 وہ سسکیاں بھرتی ہی اور ٹٹے ٹٹے اور دھورے اور دھورے جیسے اس۔
 ہونٹوں سے جھڑتے رہے۔
 وہ بائیں ٹیک ہوئے تھے، مگر نہ نکلا ہی نہ نکلا۔ چاند... ڈرنا
 تو رکھو لو جس اتنی سی بات تھی... آپا سردی لگ رہی ہے، امینہ کھڑکیں
 کھول دی۔
 اور بند ہے، امینہ نے اسے کیل اڑھا دیا۔
 "نیا تر تھا تھا"
 "اس کا اٹھتے اٹھتے امینہ جھک پڑی۔
 "کچھ نہیں آیا۔
 "زریں، امینہ کر دیکھو گی،" رات میں اندھی ہوں۔
 "وہ اب زریں کے چہرے کی بادی تھی۔
 "وہ زمرات صاف کھینچ، بیوقوف، دل میں گھاؤ چھپائے میٹھی
 تو نے مجھے بھی دھوکے میں رکھا، عجیب لڑکی ہے!"
 "وہ آیا!"

وہاں!
 "مجھے ڈر تھا"
 وہ کس بات کا؟
 "وہ قسم سے کہو گی، نہیں قسم کھاؤ، میری جان کی قسم"
 وہ قسم سے کہی سے نہ کہوں گی!
 "مجھے ڈر تھا... کر... وہ... وہ... وہ... وہ چاہتا کر رہے گی
 کہ وہ دیدی کو نہیں چھوڑ سکے!"
 وہ منہ اب اس بد ذات نے جو چھوڑ دیا اور اس جھٹلنے کے سنگ!
 "مجھے کیا سندھو تھا!"
 وہ خراب تو وہ رہی، راستے سے۔ دیکھ زریں تو بالکل نکر میں یہاں سے
 جا کے فون کروں گی!
 وہ ہائے آپا نہیں، مجھے ڈر لگتا ہے!
 وہ دل دہرائی ڈر کا ہے کا!
 وہ آپا تم نہیں جانتیں، وہ عجیب آدمی ہیں!
 پروتھیں نے تپا، اس رات بار بار ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی تھی، مگر نڈیت
 بند تھا، زریں بارتین کے پھر گھنٹی بجی پھر خاموش ہو گئی۔
 وہ صبح مرنے زریں کے ہاتھ کے بندھا لپک بنا یا لپک کھولا، وہ
 گویاں خواب آور دراک کی ڈالیں اور انکھ سے فون لے لگا
 بالکٹی میں کسی کی فون کر رہی تھی، دھرم کو سے ہیں امینہ تھا میری اس
 نے، وہ روزہ ندر کے چھٹی سرکاری۔ ٹیلی فون ملایا کھنٹی بجتی ہی بجتی رہی اس
 نے تھک کر وہیں رکھ دیا۔
 بیک تھم تھم رہا تھا مگر نڈیت کا نام نہ تھا۔ وہ اندھا تھا، جت لیا، ہاتھیں
 بند کیں، پھر گھنٹی، نڈیت آئی، اس نے دوسرا لپک بنا، پھر درگڑیاں
 ڈالیں کچھ سوچ کر ایک اور ڈال لی۔ ریسو اسٹا، پھر ٹیلی فون کیا، کھنٹی بجتی ہی۔
 وہ ہلک پڑ گیا، پھر کڑکڑا پڑا۔ کتاب آٹھ لکھو لی نہ زریں
 کچھ سوچ کر اس سے ٹیلی فون اٹھایا، کتاب میں سے نہ لیا۔

دو بلر۔ راج صاحب ہیں، میں دھرم دیوبل رہا ہوں! ایسا معلوم ہوا میں
کے ناسلے سے راج نے اُسے گلے لگا لیا۔ خوشنک کی باتیں، نغمہ کی باتیں، ہوا
کی باتیں ہوتی رہیں۔ دودھ گئے۔ دھرم دیو نے شلی فون نہ سمجھا۔ اگر مسلسل ٹوٹ
پیا تو پھر وہ کھوجا گئے گا، پھر نزل سکے گا۔ راج یا لالیا کرو اور سر آٹا ڈالنا جیسے
راج دیوار کے اس پار ہی تو کھڑا تھا۔
دو دو بچے! ڈرائیور تو چھوٹا کیا اور اپنے سے تو دو قدم نہیں چلا دیا رہا ہے۔
محفوظ نہ رہا ہے گی۔ بس میری بی بی تو ادھر آکر باہر پھر میں کی باتیں... آف۔
راج نے لمبی سی جمائی لی۔

دو دیوی بی کہاں ہیں؟ دھرم نے پوچھا۔
دو یہ پاس ہی پڑی ہیں۔ کوئی چار پارے کے ناصطے پر! راج ہنسا۔
دو میری طرف سے ایک چار تو لے لو!
اگر میں لے لیا، ایک مختاری طرف سے اور ایک اپنی طرف سے۔ دونوں
ہیں۔

دو راج؟

دو برو بیارے!

دو آس دقت نہیں آسکے!

دو نہیں بار بار دم نہیں ہے۔ صبح.....

”اے صبح کس کے دیکھی ہے؟“

نیل فون کیا، خندا دیکھی وہ صباگ گئی۔ جیسے اب نہ آئے گی کبھی
نہ آئے گی۔

چھ بگ بنایا کتنی گولیاں ڈالیں، کون جانے۔ چھ ٹی فون کیا، ڈھائی بج رہے
تھے۔ گھٹن جڑیں ہی پھٹی رہی۔

”ہو..... ہو..... میں بول رہا ہوں۔ شکر ہے ٹی فون اٹھایا کیا۔“

”میں دھرم بول رہا ہوں!“

دیکھو!

دھرم کے پاس کچھ جواب نہ تھا۔

”یہ رات کے تین بجے فون..... کیا بات ہے؟ شاید ہوش میں تھی آواز میں
ڈرائیور لگی تھی۔“

دو وہ، میرا جی گھبرا رہا ہے، تم ایسا کرو..... بچوں کو صبح دو!

دو تین بجے رات کو، بچوں کو مسجدوں، کیا ہو گیا ہے تمہیں!

دو تمہی آج! مشکو! اس کا بی بابا یک مگر افلاو راستہ معمول چکے تھے۔

بچوں کو ڈرائیور کے ساتھ بھیج دو..... میں.....

دو کیا ہو گیا ہے جی، سونے بچوں کو مکان کون، صبح مسجدوں کی!

دو صبح کس نے دیکھی ہے!

مشکانے پھر فون کیا، مگر انگریج تھا۔ سوچا یہ جاؤں دیکھوں کیا بات ہے۔

پھر خیال آیا۔ فون انگریج سے کسی کو کر رہے ہوں گے فون!

آخری بگ کتنی گولیاں؟ کون گئے کوئی نہیں، کوئی نہیں۔

اتنی ہی توڑی دنیا میں اکیلے کا کوئی نہیں۔

یار نہیں دوست نہیں۔

بیوی بچے نہیں۔

چاند..... تم بھی نہیں

فون ملایا کوئی نہیں.....

صرت گولیاں،

دو راتالی غلیٹ میں گھس جاتی رہی۔

بہتر رہیں۔